

فکری، اصلاحی، ادبی، مصلحی
ماہنامہ
حوسلا
جلد ۱
شمارہ ۱۲
MONTLYHOSLA
مئی ۲۰۱۶ء - رجب، شعبان ۱۴۳۷ھ



کرپشن، بد امنی، نا انصافی کا حل۔۔ کیا اب بھی پوشیدہ ہے؟



پولیو کی حقیقت

پولیو ڈرائپس سے متعلق چشم کشا تحریر

جماد گناہوں کا کفارہ!

شہید کی کہانی استاد کی زبانی

ترقی نسوان کا پر فریب
پروپیگنڈہ

اختلاط مرد و زن، اخلاقی تباہی اور فحاشی کا بڑا ذریعہ

دس باتوں کی وصیت!

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، چنانچہ فرمایا: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلادیا جائے (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں اپنے اہل اور مال چھوڑ دینے کا حکم دیں (۳) جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑو کیونکہ جو آدمی عمدہ نماز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں (۴) شراب مت پیو کیونکہ شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے (۵) اللہ کی نافرمانی اور گناہ سے بچو کیونکہ نافرمانی کرنے سے اللہ کا غصہ اتر آتا ہے۔ (۶) جہاد میں دشمنوں کو ہرگز پیٹھ نہ دکھلاؤ اگرچہ تمہارے ساتھ کے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں۔ (۷) جب لوگوں میں موت (وباء کی صورت میں) پھیل جائے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہو یعنی ان کے درمیان سے بھاگو مت (۸) اپنے اہل و عیال پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرتے رہو۔ (۹) تادیباً اپنا ڈنڈا ان سے نہ ہٹاؤ (۱۰) اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے رہو یعنی اہل و عیال میں سے کسی کو سزا یا تادیب کچھ مارنا بیٹنا ضروری ہو تو اس سے پہلو تہی نہ کرو اور ان کو اچھی اچھی باتوں کی نصیحت و تلقین کرتے رہا کرو اور دین کے احکام و مسائل کی تعلیم دیا کرو اور ان کو بری باتوں سے بچانے کی کوشش کرو۔ (مسند احمد بن حنبل)

صفحات مجلہ

5	اداریہ
7	امت مسلمہ کے دو متضاد پہلو
10	توبہ میں جلدی اور وقت کی قدر و قیمت
13	جواب آن غزل
15	اسلام اور ترقی نسواں کا پرفریب پروپیگنڈہ
17	حالات سے شکوہ کیوں؟
18	مجتہدوں کے دیس میں
20	پولیو کی حقیقت کیا ہے؟
24	پریشانیوں کی نوعیت کا تجزیہ
25	جہاد گناہوں کا کفارہ
27	بنیادی اصول قابل اصلاح امور
30	حضرت ابی بن کعب انصاری
34	عزم آپریشن کے آخری سودن
35	سوشل میڈیا سے چیدہ چیدہ!
38	خلافت اور خوارج

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

إِنَّ اللَّهَ لَيَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا يَزَعُ بِالْقُرْآنِ-

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ (اسلامی) حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتے ہیں جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۵۹، البدایہ والنہایہ، ج ۲ ص ۱۰، کنز العمال)

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

الْإِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ أَخَوَانِ تَوَامَنِ لَا يَصْلَحُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا إِلَّا

بِصَاحِبٍ فَإِلَّا سَلَامٌ أَسَّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَا لَا أَسَّ لَهُ

لِيَهْدُمُ وَمَا لَا حَارِسَ لَهُ ضَائِعٌ

اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی

ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک

عمارت (بنیاد) کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے، جس عمارت کی

بنیاد نہ ہو، وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو، وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

(کنز العمال)



monthlyhosla@gmail.com
azaansahar@gmail.com

اپنی مفید آراء، مثبت تجاویز اور
پرمغز تحسیریں اس برقی پتہ
پر ارسال کریں۔

www.azaan.pk/blog

facebook.com/ehtadal

twitter.com/molanaismatulah

www



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

ترجمہ: ہرگز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز میں سے جس سے تم محبت کرتے ہو،

اور جب وہی چیز خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے والا ہے۔ (آل عمران: ۹۲)

فی سبیل اللہ محبوب مال خرچ کیا جائے!

اس آیت میں اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے

کہ خیر (کامل) تمہیں نہیں مل سکتی جب تک کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی رضا کے لیے خرچ نہ کرو،

حضرات صحابہ کرام ایک ایک حکم پر عاشق تھے، جب آیت بالا نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی محبوبات پر نظر ڈالی

کہ ہماری محبوب چیزیں کیا کیا ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ حضرت انس (رض) فرماتے ہیں کہ

انصار مدینہ میں باغوں کی ملکیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار حضرت ابوطحہ (رض) تھے، مسجد نبوی کے مقابل ان کا باغ تھا جس میں ایک کنواں بیرحاء کے

نام سے موسوم تھا، رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور بیرحاء کا پانی پیتے تھے، حضرت ابوطحہ (رض) کا یہ باغ ان کو اپنی

جانیداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تمام

اموال میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اور اس کے ثواب کی امید رکھتا ہوں اور اللہ کے یہاں اس کو ذخیرہ بنانا

چاہتا ہوں۔ آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو اپنی صوابدید سے جیسے اللہ آپ کے دل میں ڈالے خرچ فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عظیم منافع کا باغ ہے میں

مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اقرباء میں تقسیم کر دو، حضرت ابوطحہ (رض) نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور اپنے اقرباء اور چچا زاد

بھائیوں میں تقسیم فرمادیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۹۷: ج ۱) حضرات صحابہ (رض) کے بعض واقعات تفسیر درمنثور میں اس طرح کے اور بھی واقعات لکھے ہیں۔ مثلاً

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) کو اپنے مال میں ایک رومی لونڈی جس کا نام مر جانہ تھا سب سے زیادہ محبوب تھی۔ آیت شریفہ سن کر انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ اسی

طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری (رض) کو حضرت عمر (رض) نے لکھا کہ جلواء کے قیدیوں میں سے ایک باندی میرے لیے خرید لو جب وہ باندی آگئی تو حضرت عمر

(رض) نے آیت بالا پڑھی اور اسے آزاد فرمایا۔ حضرت محمد بن المکند نے بیان فرمایا کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ (رض) نے اپنا گھوڑا

صدقہ میں دے دیا۔ کیونکہ وہ ان کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (صفحہ ۲۰: ج ۱) ہر شخص کی محبوبات الگ الگ ہیں اور جس شخص کے پاس پیسہ کم ہو وہ اس میں سے اللہ

کے لیے خرچ کر دے تو وہ بھی اس آیت کے مفہوم میں شامل ہے۔ کیونکہ کم مال ہونے کی وجہ سے پیسہ زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ہو یا

صدقات واجبہ یا نافلہ ان میں سب سے اچھا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اور اپنی محبوب چیزیں مستحقین میں خرچ کی جائیں۔ اگر کوئی شخص ایسی چیز کو اللہ کی راہ

میں دیدے جو اس کی ملکیت تو ہے لیکن ضرورت سے زائد ہے جیسے پرانے اتارے ہوئے کپڑے تو اس کا بھی اجر ہے۔ البتہ جس چیز سے محبت ہو اس کے خرچ

کرنے میں زیادہ ثواب ہے اسی لیے بعض مفسرین نے البر کی تفسیر الخیر الکامل سے کی ہے۔ یعنی کامل ثواب اسی میں ہے جبکہ محبوب چیز خرچ کی جائے۔ آیت کا

مطلب یہ نہیں کہ جو چیز محبوب نہیں اسے خرچ نہ کرو مطلب یہ ہے کہ محبوب چیز خرچ کرنے کی طرف رغبت کرو۔ آیت کے آخر میں جو فرمایا (وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ)

یوں کہا اَللّٰهُمَّ الَّذِي كَسَانِيْ مَا اُوَارِيْ بِهِ عَوْرَتِيْ وَ اَتَجَمَّلُ بِهِ فِيْ حَيَاتِيْ (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس کے ذریعہ اپنی شرم کی جگہ کو چھپاتا

ہوں اور اپنی زندگی میں اس کے ذریعہ جمال حاصل کرتا ہوں) پھر اس کے بعد اس کپڑے کو صدقہ کر دیا جسے پرانا کیا تھا تو اللہ کی حفاظت میں اور اللہ کی طرف سے



کرپشن، بد امنی، نا انصافی کا حل۔۔ کیا اب بھی پوشیدہ ہے؟

ٹھنڈے دل وماغ سے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ انسانیت کے لئے سب سے بہترین نظام اسلام ہے جو ہر طرز کی انسانی ضروریات کا پورا لحاظ رکھتا ہے۔ صرف دنیا نہیں انسان کی موت کے بعد شروع ہونے والی غیر محدود زندگی پر بھی جس کی چھاپ رہی ہے۔ دنیا پر سکون آخرت کا میاب، یہی نظام اسلام کے بہترین، قریب تر اور دور رس نتائج ہیں جو خالق کائنات نے ضروریات انسانیت اور دیگر مخلوقات کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا ہے۔ نظام اسلام میں خیر کا پہلو صرف اہل ایمان کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اسلامی نظام کی فیوض و برکات سے پوری طرح مستفید ہوتے ہیں۔ خلافت راشدہ انسانیت کے حکومتی ادارے میں سے سب سے بہترین دور تھا۔ اس کے بعد بھی اسلامی حکومتوں میں اگرچہ کمزوریاں خامیاں، بادشاہانہ طرز حکومت اور عیاشیاں بھی پیدا ہوتی رہیں۔ مگر اسلامی حکومتوں نے کبھی بھی ٹیکسز کے نام پر عوام کی دولت پر ڈاکہ زنی نہیں کی۔ زکوٰۃ و عشر کے شرعی فرائض و اجبات کے علاوہ اور غیر مسلموں سے معمول جزیے کی سالانہ رقم کے علاوہ ظلم کا ایسا بازار کبھی بھی گرم نہ ہوا کہ ماچس کی ایک ڈبی اور روٹی کا لقمہ بھی ٹیکس کی چوکھٹ سے سجدہ ریز ہو کر کسی غریب کی دہلیز تک پہنچ پائے۔ بلکہ بنیادی انسانی ضروریات اسلامی، فلاحی حکومت کی ذمی داری ہے کہ بلا تفریق رنگ و نسل ہر شہری کو مہیا کرے۔ یہاں بلا تفریق رنگ و نسل ہر شہری حکمرانوں کو ٹیکس کے نام پر دولت جمع کر کے دے رہا ہے۔ جو حکمرانوں کی من پسند ترجیحات پر پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے۔ 70 سال سے موجود بدترین نظام عوام کو بنیادی ضروریات بجلی، پانی، صحت کی ضروریات، خوراک، لباس، تعلیم، رہائش تک بھی فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ علاج معالجہ کی سہولت اور تعلیم کی ضرورت بھی اس نظام کی بدترین کارکردگی کی وجہ سے ایک تجارت بن کر رہ گئی۔ ایک مریض ایک گاہک (customer) اور ایک بچہ سکول کے لئے ایک پرافٹ حاصل کرنے کا سبب بن گیا ہے۔ نظام انصاف جس سے معاشروں اور حکومتوں کا وجود باقی رہتا ہے اب نظام انصاف منافع بخش انڈسٹری ہے جس سے لاکھوں لوگوں کا روزگار وابستہ ہو چکا ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز ظالمانہ حکومتی عدالتی رویوں کی بدولت ممکن ہوا۔ پھر اس منافع بخش انڈسٹری نے انصاف کا جو کھلا قتل عام کیا اسکی مثال کہیں بھی نہیں ملتی۔ اسلامی نظام حکومت میں تو ایک عام شہری وہ امیر مومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف دعویٰ دائر کرتا ہے (جو دعویٰ سچ پر مبنی ہوتا ہے)۔ اسلامی خلافت۔۔۔۔ خلیفہ حضرت علیؑ اپنے دعویٰ پر گواہ نہ کر سکتے جو کہ اسلامی عدالت کے لئے قابل قبول ہوتے۔ تو فیصلہ ایک یہودی کے حق میں دے دیا جاتا ہے۔ تاریخ انسانیت نے ایسے مناظر اور ایسا نظام انصاف جو حضرت عمرؓ علیؓ کو بھی کٹھڑے میں کھڑا کرے نہیں دیکھا تھا۔ پھر ایک ایسا نظام انصاف بھی تاریخی جبر بن رہا ہے کہ انصاف کے حصول کے لئے گھر کے برتن تک بھی بیچ دینے پڑتے ہیں۔ وکیلوں کا مک مکا اور بھاری بھر کم فیسوں کا بوجھ عوام کو انصاف فراہم کرنا تو درکنار عوام سے انصاف اور سکون دونوں چھین رہا ہے۔ اگر کہیں نظام جمہوریت کچھ بہتر حال میں موجود ہے جس کی مثال یورپ کے نام کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔ تو اوّل بات یہ ہے کہ برخلاف اسلام، نظام کفار کو اس آسکتا ہے مسلمانوں کو ہرگز نہیں۔ نہ ہی اہل اسلام کی اس سے دنیا سنور سکتی

ہے اور نہ ہی آخرت کی بقا کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ یورپین معاشرے کے انتخابی سٹرکچر اور پاکستان کے انتخابی سٹرکچر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں قومی اسمبلی کا امیدوار 5 کروڑ خرچ کر کے الیکشن کا معرکہ سر کرتا ہے۔ جس شخص نے دس کروڑ انتخابی مہم پر خرچ کر ڈالے یہ اسکی انویسٹ منٹ تھی۔ اس نے 5 سالہ ٹرم میں 30 کروڑ نفع کمانے کا ہدف رکھا ہوتا ہے۔ یہ سب کرپشن لوٹ مار کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتا۔ سینٹ کے امیدوار دس پندرہ کروڑ صرف کر کے سینٹ کی ممبر شپ حاصل کرتے ہیں، کیا یہ رقم عوام کی خدمت کے جذبے سے خرچ کی جاتی ہے، قطعاً نہیں۔ جب آپ کو پارٹی ٹکٹ لینے کے لئے رشوت اور سفارش کا آغاز کرنا پڑے۔ پھر الیکشن کی مہم جوئی پر کروڑوں کا جوا کھیلنا پڑے، کچھ انصاف سے سوچئے۔ اس طرز انتخاب سے وجود میں آنے والی حکومتوں سے آپ کرپشن، لوٹ مار، اور ملکی خزانوں کی لنگا میں ہاتھ نہ دھونے کی امید رکھو۔ کیا یہ تجاہل عارفانہ نہیں تو اور کیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ نظام بذات خود ایک کرپٹ، لاغر اور ظالمانہ نظام ہے۔ اس کے طرز انتخاب سے جن کا انتخاب ہوتا ہے وہ ستر سال سے بھی یہی چند درجن جاگیردار، سرمایہ دار وڈیرے ہی ہیں۔ یا پھر اسٹیبلشمنٹ کے پالتو انہیں خاندانوں کے مل آنر شخصیات ہی ہوتی ہیں۔ یہ چند درجن خاندان باری باری اس ملک کو لوٹے جارہے ہیں۔ یہی خاندان کبھی مسلم لیگ تو کبھی پیپلز پارٹی اور کبھی تحریک انصاف کے پرچم کو بدل بدل کر تھمتے چلے آ رہے ہیں۔ جدھر کی ہوا، اس طرف کا سفر۔ ان خاندانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ یہی وہ خاندان ہیں جنہوں نے ملکی خزانے خالی کر کے بیرون ممالک اپنے اور اپنے آقاؤں کے خزانوں کے پیٹ پھر دیئے ہیں۔ آج پانامہ لیکس کے سکینڈل پر رونادھونا کرنے والے بذات خود کرپٹ اور ملکی دولت لوٹنے والوں میں سرفہرست رہے ہیں۔ ان کا دور بھی انہی خوبیوں سے مزین ہوگا۔ جو خوبیاں موجودہ حکومت کے ماتھے کی کالک قرار پارہی ہیں۔ تحریک انصاف یا مسلم لیگ کے تمام دھڑے یا پھر پیپلز پارٹی۔ آپ کو ٹڈل کلاس کہیں نظر نہیں آئے گی، غریب غرباء تو ان پارٹیوں کے دفتر تک رسائی نہیں رکھتے۔ غریب کارکن ٹینٹ لگانے، کرسیاں لگانے، لیڈروں کی گاڑیوں کے پیچھے پیدل دوڑنے والی کیڑے مکوڑے کی طرح مخلوق ہے۔ جن آنکھوں میں ان ظالم لیڈروں نے اخلاص کی امیدوں کا ڈھیروں نور چمک رہا ہوتا ہے۔ موجودہ نظام کا سب سے بڑا وصف اور بہت اہم خوبی عوام کو بے خوف بنا کر پیچھے لگا کر رکھنا بھی ہے۔ پانامہ لیکس کے ایواڈ یافتہ حکمران تو نہ ملک کے دوست ہیں اور نہ ہی اسلام کے غمخوار۔ مگر ان کے خلاف مہم جوئی کرنے والی پارٹیاں بھی دودھ سے دھلی ہوئی نہیں ہیں اور ان پر تبصرے اور تجزیوں کا نائک رچانے والا میڈیا اور اسکے جادوگر اینکر۔ لینڈ مافیا کہ وظیفہ خور، قبضہ گروپوں سے رشوتیں وصول کرنے والے غیر ملکی کمپنیوں کے کنٹرکٹ ملازمین ہیں۔ جن کا بولنا اور منہ کھولنا بھی ایک منافع بخش انڈسٹری کا روپ دھار چکا ہے۔ اے اہل وطن! اے غمخواران دین و ملت! اس نظام کی دم سے ستر سال سے چپک کر نتیجہ دیکھا جا چکا ہے کہ خیر کا کوئی پہلو کہیں بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ پارٹی بدلنے، نئے نئے نعروں اور رنگ دار جھنڈوں کے سائے میں نئے نئے سانپ اور اژدھے وجود میں آ رہے ہیں جو عوام کے خون پسینے سے ٹیکسوں میں ادا کی گئی رقم کو نگل رہے ہیں۔ ضروری ہو چکا ہے کہ اب اس نظام کو ہی بدل دیا جائے۔ قوم بنی اسرائیل نے صرف وادی تیبہ میں 40 سال صرف کر کے راستہ بھی پالیا تھا۔ مگر ہم ستر سال سے اس وادی جمہوریت میں دھکے کھاتے گزر چکے ہیں۔ نہ ہی راستہ نظر آ رہا ہے نہ ہی منزل کے کہیں جگنو چمکے ہیں۔ آئیے لوٹ آئیے۔ اس نظام کی طرف جو تمہارے دنیاوی امن و سکون، انصاف کا ضامن اور۔۔۔ کا سپاہیوں کا چوکیدار بھی ہے۔ وہ نظام جو۔۔۔ کے مالک رب ذوالجلال کی چوکھٹ سے بھی جوڑتا ہے اور رسالت مآب کے قدموں تک پہنچاتا ہے۔ جہاں انصاف کی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی ہے جہاں حاکم اناج اپنی پیٹھ پر اٹھا کر دروازے تک پہنچاتا ہے۔ جس نظام کی کوکھ سے جنم لینے والے حکمران خود سائل کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں، سائل کو در کے دھکے نہیں کھانے پڑتے۔ آئیے ناظم بدلنے کے دھوکے سے نکل کر نظام بدلنے کا حقیقی راستہ اختیار کیجئے۔ اسی میں آنے والی نسلوں کی بقاء ہے اور پاکستان کی حفاظت بھی اسی نظام اسلام کے جھنڈے کے سائے میں ہی پوشیدہ ہے۔ ورنہ یہ ملک، رہزنوں کے جسد و استبداد، کرپشن لوٹ مارنا انصافی کی جہنم میں سلگتا رہیگا۔

انتہاؤں کے درمیان ہے۔ اور اسی وجہ سے موضوع بہت اہمیت رکھتا ہے، یہ موضوع کہ ”امت مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟“ اپنے دامن میں سوال بھی بخود رکھتا ہے کہ اس امت کو کہاں جانا ہے؟ اور کس طرح جانا ہے؟ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے میں ان دونوں انتہاؤں سے قدرے ہٹ کر اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہوئے ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ زوال کا شکار ہیں، بلکہ زوال پذیر ہیں، یہ احساس امت مسلمہ کے تقریباً ہر خطے میں پیدا ہو رہا ہے کہ ہمیں اپنی اصل کی طرف لوٹنا چاہیے، اور بحیثیت ایک مسلمان کے اس دین اسلام کو روئے زمین پر نافذ کرنا چاہیے۔ اسی اساس کو آجکل کی اصطلاح میں لصوۃ اسلامیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسلام سے دوری کی مثال!

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان کا عجیب و غریب کرشمہ ہے کہ عالم اسلام کی سیاسی باگ دوڑ جن ہاتھوں میں ہے، اگر ان کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ اسلام سے دوری کہ انتہاء ہو چکی ہے ایک واقعہ خود میرے ساتھ پیش آیا، اور اگر بذات خود میرے ساتھ پیش نہ آتا تو میرے لئے شاید اس پر یقین کرنا مشکل ہوتا۔ لیکن چونکہ میرے ساتھ خود پیش آیا، اس لئے یقین کے بغیر چارہ نہیں، میرا ایک وفد کے ساتھ مشہور اسلامی ملک جانا ہوا ہمارے وفد کی طرف تجویز ہوئی کہ سربراہ مملکت سے ملاقات کے وقت ان کی خدمت میں وفد کی طرف سے یہ تجویز ہوئی کہ سربراہ مملکت سے ملاقات کے وقت ان کی خدمت میں وفد کی طرف سے قرآن کریم کا ہدیہ پیش کیا جائے گا، لیکن سربراہ مملکت کو تحفہ پیش کرنے

امت مسلمہ کے دو متضاد پہلو

مولانا مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ

یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ ہم بحیثیت ایک امت کے زوال اور انحطاط کا شکار

ہیں۔ اور یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اسی زوال اور انحطاط کے دور میں ایک

اسلامی بیداری کی لہر پورے عالم اسلام میں محسوس ہو رہی ہے۔

شکار ہے، اور دوسرے تاثر کا نتیجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے ساتھ غیر معمولی توقعات اور امیدیں وابستہ کی جا رہی ہیں، بعض اوقات پہلے تاثر سے مرعوب اور مغلوب ہو کر ہم مایوسی کا شکار ہونے لگتے ہیں اور بعض اوقات دوسرے تاثر سے اثر لیکر ضرورت سے زیادہ توقعات اور امیدیں وابستہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

”حق“ دو! انتہاؤں کے درمیان!

حق ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے، یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ ہم بحیثیت ایک امت کے زوال اور انحطاط کا شکار ہیں۔ اور یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اسی زوال اور انحطاط کے دور میں ایک اسلامی بیداری کی لہر پورے عالم اسلام میں محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن ہمیں نہ تو اتنا مایوس اور قنوطیت کا شکار ہونا چاہیے جو ہمیں بے دخل بنا دے، اور نہ اسلامی بیداری کے محض عنوان اور اصطلاح سے غافل ہو جائیں۔ بلکہ حق ان دونوں

”امت مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟“ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کے بہت سے پہلو ہیں۔ امت مسلمہ سیاسی اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ معاشی اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ اخلاقی اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ غرض مختلف حثیوں سے اس سوال کو مختلف صورتیں دی جاسکتی ہیں جن میں سے ہر ایک حثیت مفصل گفتگو کی محتاج ہے، آج جب ہم امت مسلمہ کی موجودہ حالت کا جائزہ لیتے ہیں تو دو قسم کے متضاد تاثرات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک تاثر یہ ہے کہ امت مسلمہ زوال اور انحطاط کا شکار ہے چنانچہ آجکل امت مسلمہ زبوں حالی اور بدحالی کا تذکرہ زبان زد رہتا ہے۔ لیکن دوسری طرف اسی ماحول میں اسلامی بیداری جیسے عربی میں ”الصحوۃ الاسلامیہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کا تذکرہ بھی زور شور کے ساتھ کیا جا رہا ہے پہلے تاثر کا خلاصہ یہ ہے کہ امت مسلمہ زوال پذیر ہے، اور زبوں حالی کا

سے پہلے پروٹوکول کو اطلاع دی گئی کہ یہ تحفہ وفد پیش کرنا چاہتا ہے، ایک دن کے بعد ہمیں افسر مہمان داری نے پیغام دیا کہ وفد کی طرف سے سربراہ مملکت کو قرآن کریم کا تحفہ پیش نہیں کیا جاسکتا، وجہ اسکی یہ ہے کہ اگر ان کو تحفہ پیش کیا جائے گا تو ملک میں بسنے والی غیر مسلم اقلیت کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔ چنانچہ ہم سے معذرت کر لی گئی کہ قرآن کریم کے بجائے کوئی اور تحفہ پیش کریں۔ سرکاری اور سیاسی اقتدار کی سطح پر اسلام سے وابستگی کا تو یہ حال ہے۔

اسلامی بیداری کی ایک مثال!

لیکن یہ جواب سننے کے بعد اس روز شام کو ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانے کا اتفاق ہوا، مسجد نوجوان لڑکوں سے بھری ہوئی تھی، عمر رسیدہ افراد کے مقابلے میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی، نماز کے بعد وہ سارے نوجوان ایک جگہ بیٹھ کر اپنی زبان میں گفتگو کر رہے تھے، پتہ کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ان کا روزانہ معمول ہے کہ نماز کے بعد دین سے متعلق کوئی کتاب پڑھ کر سنا رہے ہیں اور آپس میں اس مذکرہ کرتے ہیں لوگوں نے بتایا کہ یہ سلسلہ صرف ایک مسجد کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ پورے ملک کی تمام مساجد میں یہ طریقہ جاری ہے، جبکہ ان نوجوانوں کی رسمی تنظیم کوئی نہیں ہے، اور نہ رسمی طور پر آپس میں رابطے کا کوئی تعلق ہے۔ اس کے باوجود ہر مسجد میں یہ سلسلہ قائم ہے۔

عالم اسلام کی مجموعی صورت حال!

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سیاسی سطح پر اور اقتدار کی سطح پر اسلام کے ساتھ کیا رویہ ہے اور نئی نسل میں اور نوجوانوں میں اسلام کے ساتھ وابستگی

کا کیا مظاہرہ ہو رہا ہے بہر حال نحشیت مجموعی عام اسلام کے حالات پر غور کرنے سے یہ نظر آئے گا کہ سیاسی اقتدار عام طور پر اسلام کے بارے میں یا تو معاندانہ رویہ رکھتا ہے، یا کم از کم لائق ہے اسکو اسلام سے کوئی سروکار نہیں، اس سے کوئی دلچسپی نہیں الا ماشاء اللہ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عوام کے اندر، خاص طور پر نوجوانوں کے اندر ایک بیداری کی ایک لہر ہے اور عالم اسلام کے مختلف خطوں میں یہ تحریک عملی طور پر چل رہی ہے کہ اسلام کو اپنی زندگی کے اندر نافذ کیا جائے، اور اسکو عملی طور پر برپا کیا جائے۔

اسلام کے نام پر قربانیاں!

یہ درست ہے کہ اس راستے میں قربانیوں کی کمی نہیں، بہت سے ملکوں میں اسلام نافذ کرنے کے لئے جو تحریکیں چلی ہیں اور اس انداز سے چلی ہیں کہ لوگوں نے ان کے لئے اپنی جان، مال اور جذبات کی بیش بہا قربانیاں پیش کیں سچی بات ہے کہ وہ ہمارے لئے قابل فخر ہیں مصر میں الجزائر میں اور دوسرے اسلامی ممالک میں جو قربانیاں دی گئیں، خود ہمارے ملک کے اندر اسلام کے نام پر اسلامی شریعت کے نفاذ کی خاطر لوگوں نے اپنی جان و مال کی قربانیاں پیش کیں، وہ ایک ایسی مثال ہے جس پر امت بلاشبہ فخر کر سکتی ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آج بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دلوں میں ایمان کی چنگاری باقی ہے۔

تحریکات کی ناکامی کے اسباب کیا ہیں؟

لیکن ان ساری قربانیوں، ساری کوششوں اور کاوشوں کے باوجود ایک عجیب منظر یہ نظر آتا ہے کہ کوئی تحریک ایسی نہیں ہے جو کامیابی کی آخری منزل

تک پہنچی ہو، یا تو وہ تحریک بیچ میں دب گئی، یا اسکو دبا دیا گیا، یا خود وہ تحریک آگے چل کر شکست و ریخت کا شکار ہو گئی، جس کے نتیجے میں اس تحریک کے جو مطلوبہ ثمرات تھے، وہ حاصل نہ ہو سکے۔ ان سوال یہ ہے کہ اس صورت حال کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اس لئے یہ بیداری کی تحریکیں اٹھ رہی ہیں قربانیاں بھی دی جا رہی ہیں، وقت بھی صرف ہو رہا ہے، محنت بھی ہو رہی ہے اس کے باوجود کامیابی کی کوئی واضح مثال سامنے نہیں آتی، ہم میں سے ہر شخص کو اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے میں ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے اس پر جو غور کر سکا ہوں وہاں حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، کہ اس صورت حال کے بنیادی اسباب کیا ہیں؟ اور ہم کس طرح اس کا ازالہ کر سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ بہت نازک بات ہے اور مجھے اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ اگر اس نازک بات کی تعبیر میں تھوڑی سی بھی لغزش ہوئی تو وہ غلط فہمیاں پیدا کر سکتی ہے لیکن میں یہ خطرہ مول کر ان دو پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، میرے نزدیک اس صورت حال کا بنیادی سبب ہیں، اور جن پر ہمیں سچے دل سے اور ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

غیر مسلموں کی سازش!

اسلامی تحریک کے بار آور نہ ہونے کا ایک سبب جو ہر شخص جانتا ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلم طاقتوں کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کو دبانے کی سازشیں کی جا رہی ہیں، اس سبب کا مفصل تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہر مسلمان اس سے واقف ہے۔ لیکن میرا ذاتی ایمان یہ ہے کہ غیر مسلموں کی

اسلام کے احکامات عبادات، اخلاق اور صرف انسان کی انفرادی زندگی کی حد تک محدود نہیں، بلکہ وہ احکام زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں، اسلام میں اجتماعیت پر بھی اتنا ہی زور ہے جتنا انفرادیت پر ہے۔

اس فکری تردید کا نتیجہ!

لیکن ہم نے اس فکر کی تردید میں اجتماعیت پر اتنا زور دیا گیا کہ اس کے نتیجے میں انفرادی احکام پس پشت چلے گئے، اور نظر انداز ہو گئے، یا کم از کم عملی طور پر غیر اہم ہو کر رہ گئے۔ مثلاً ایک نقطہ نظریہ تھا کہ دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔

یعنی قیصر کا حق ہے، وہ قیصر کو دو، جو اللہ کا حق ہے، وہ اللہ کو دو، گویا کہ دین کو سیاست میں لانے کی کوئی ضرورت نہیں، اور اس طرح دین سیاست سے باہر نکال دیا گیا۔

ہم نے اسلام کو سیاسی بنادیا!

اس غلط نقطہ نظر کی تردید میں ایک اور فکر سامنے آئی، جس نے دین کے سیاسی پہلو پر اتنا زیادہ زور دے دیا کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ دین کا مطمح نظر ہی ایک سیاسی نظام کا قیام ہے، یہ بات اپنی جگہ غلط نہیں تھی کہ سیاست بھی اپنی جگہ ایک شعبہ ہے جس کے بارے میں اسلام کے مخصوص احکام ہیں لیکن اگر اس بات کو یوں کہا جائے کہ دین درحقیقت سیاست ہی کا نام ہے، یا سیاسی نظام کا نفاذ دین کا اولین مقصد ہے تو اس سے ترجیحات کی ترتیب الٹ جاتی ہے، اگر ہم اس فکر کو تسلیم کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے سیاست کو اسلامی بنانے کے بجائے اسلام کو سیاسی بنادیا، بقیہ صفحہ (12) پر

یہ بات جانتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہیں ان میں بہت سے احکام اجتماعی نوعیت کے ہیں اور بہت سے احکام انفرادی نوعیت کے ہیں بہت سے احکام کا خطاب پوری جماعت سے ہے اور بہت سے احکام کا خطاب ہر ایک فرد سے علیحدہ علیحدہ ہے دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی احکام میں اجتماعیت اور انفرادیت دونوں کے درمیان ایک مخصوص توازن ہے، اس توازن کو قائم رکھا جائے تو اسلامی تعلیمات پر یکساں طور پر عمل ہوتا ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک کو یا تو نظر انداز کر دیا جائے یا کسی پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جائے اور دوسرے کی اہمیت کو کم کر دیا جائے تو اس سے اسلام کی صحیح تطبیق سامنے نہیں آسکتی اجتماعیت اور انفرادیت کے درمیان جو توازن ہے ہم نے اس توازن میں اپنے عمل اور اپنی فکر سے ایک خلل پیدا کر دیا ہے اور اس کے نتیجے میں ہم نے ترجیحات کی ترتیب الٹ دی ہے۔

سیکولر ازم کی تردید!

ایک زمانہ تھا جس میں سیکولر ازم کے پریگنڈے کی وجہ سے لوگوں نے اسلام کو مسجد اور مدر سے اور نماز روزے اور عبادت تک محدود کر لیا تھا یعنی اسلام کو اپنی انفرادی زندگی تک محدود سمجھ لیا تھا، اور سیکولر ازم کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ مذہب کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہے، انسان کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کسی مذہب کے تابع نہیں ہونی چاہیے، بلکہ وہ مصلحت کے تابع ہونی چاہیے، اس غلط فلسفے اور غلط فکر کی تردید کیلئے ہمارے معاشرے کے اندر اہل فکر کا ایک طبقہ وجود میں آیا، جس نے اس فکر کی تردید کرتے ہوئے بجا طور پر یہ کہا کہ

سازشیں امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے کے لئے کبھی بھی اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتیں جب تک خود امت مسلمہ کے اندر کوئی خامی یا تباہی کا سبب بنتی ہے جب ہمارے اندر کوئی نقص آجائے، ورنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر آج تک کوئی دور سازشوں سے خالی نہیں رہا۔

ستیزہ کار ہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفویٰ سے شرار بولہبی

لہذا یہ سازش نہ کبھی ختم ہوئی ہے اور نہ کبھی ختم ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا فرمایا تو اس پہلے ابلیس پیدا ہو چکا تھا، لہذا یہ توقع رکھنا کہ سازشیں بند ہو جائیں گی، یہ توقع بڑی خود فریبی کی بات ہے۔

سازشوں کی کامیابی کے اسباب!

اب ہمارے لئے سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ نقص اور خرابی اور خامی کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ سازشیں ہمارے خلاف کامیاب ہو رہی ہیں؟ اور یہ سوچنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ آج جب ہم اپنی زیوں حالی کا تذکرہ کرتے ہیں تو عموماً ہم سارا الزام اور ساری ذمہ داری ان سازشیوں پر ڈالتے ہیں کہ یہ فلاں کی سازش سے ہو رہا ہے یہ فلاں کا بویا ہوا بیج ہے اور خود فارغ بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ خود ہمارے اندر کیا خرابیاں اور خامیاں ہیں؟ اس سلسلے میں دو بنیادی چیزوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو میری نظر میں ان ناکامیوں کا بہت بڑا سبب ہیں۔

شخصیت کی تعمیر سے غفلت!

ان میں سے پہلی چیز شخصیت کی تعمیر کی طرف توجہ کا نہ ہونا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہر پڑھا لکھا انسان

توبہ میں جلدی اور وقت کی قدر و قیمت

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی دل افروز نصیحت

رُکے مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ فرمایا: پہلے سورج کو روکو۔ کچھ لوگ حضرت معروف کرنی رحمہ اللہ (م ۲۰۰ھ) کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: آپ لوگوں کو اُٹھنے کی طبیعت نہیں چاہتی؟ ذرا سوچیں کہ آفتاب کا مالک اسے مستقل کھینچے جا رہا ہے، اور اسے ایک ذرا ٹکان نہیں آتی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ پڑھنے والے کے لیے جنت میں ایک باغ لگا دیا جاتا ہے۔ اب ذرا فکر کو آؤ کچھ دے کر سوچو کہ اپنے قیمتی وقتوں کا ضیاع کرنے والا کتنے بہشتی باغات کھو بیٹھتا ہے۔ سلف صالحین کا معمول یہ تھا کہ وہ ہر لمحہ کو غنیمت جانتے تھے۔ اندازہ لگاؤ کہ حضرت کہمس بن حسن تمیمی علیہ الرحمہ (م ۱۴۹ھ) شب و روز میں تین قرآن ختم فرمایا کرتے تھے۔ اور ہمارے اسلاف میں چالیس نفوسِ قدسیہ ایسی گزری ہیں جو عشا کے وضو سے نمازِ فجر ادا کیا کرتی تھیں۔ اور حضرت رابعہ بصریہ علیہا الرحمہ (م ۱۸۰ھ) کا حال یہ تھا کہ وہ پوری رات یادِ مولا میں اپنے پہلو کو بستر سے جدا رکھتیں، پھر جب سپیدہ سحر پھوٹنے کا وقت آتا تو زرا دیر کے لیے لیٹتیں، پھر گھبرائی ہوئی اُٹھتیں اور اپنے نفس سے کہتیں: اتنا نہ سویا کر قبر کے اندر بہت لمبی نیند سونا ہے۔

دنیا کی عمر بہت کم ہے لہذا اُسے غنیمت جانو! جسے دولت عرفان نہیں ملتی وہ دنیا کی عمر کو بہت زیادہ سمجھتا ہے لیکن پس مرگ اسے معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کا قیام کتنا مختصر تھا۔ بیٹے! یاد رکھ کہ قبر میں پڑے رہنے کی مدت کافی طویل ہے۔ پھر عرصہ قیامت کا سوچو جس کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر بتایا جاتا ہے۔ اس سے آگے جنت یا دوزخ

کے لیے گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے دنوں قدموں پر نگاہیں جمائے ہوئے آہ و فغاں کر رہا ہے، ہم نے پوچھا: یہ بتائیں کہ اتنی گریہ و زاری کیوں کر رہے ہیں؟ فرمایا: ان قدموں کو اللہ کی راہ میں جادہ پیمائی نصیب نہ ہوئی، پھر دوبارہ رونے لگے تو پوچھا گیا: اب کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: دراصل ایک دن میں روزہ نہ رکھ سکا تھا اور ایک مرتبہ رات کے قیام کی توفیق نہ ملی تھی۔

کا شائد دل کے میس! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنوں کی حقیقتیں گھنٹوں میں چھپی ہوئی ہیں اور لمحے کے تار سانسوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ ہر سانس ایک خزانہ ہے۔ دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری حیاتِ مستعار کی کوئی سانس بے کار چلی جائے اور وہ نا آشنائے لذتِ عمل رہ جائے، کیوں کہ اس خزانے کو عرصہ محشر میں پھر کھانا ہے، لہذا آگاہ رہنا کہ اسے خالی دیکھ کر کہیں تمہیں کفِ ندامت ملنے پر مجبور نہ ہونا پڑے۔

کسی شخص نے عامر بن عبد قیس سے عرض کیا کہ ذرا

نو نظر! اپنے نفس کے تئیں ہمیشہ چاق و بند رہنا، کبھی اس سے مطمئن نہ ہونا۔ جو کچھ گناہ پہلے ہو چکے ان پر اشکِ ندامت بہاتے رہنا، اہل کمال سے اکتسابِ فیض اور ان کی صحبتوں میں اُٹھنے بیٹھنے کا موقع میسر آئے تو اسے غنیمت جاننا، جب تک دم میں دم ہے اپنی شاخِ عمل کو سرسبز و شاداب رکھنے کی کوشش کرتے رہنا۔

تمہاری زندگی کے جو لمحے بیکار بیت گئے ان کا سوچو ان میں خود تمہارے لیے درسِ عبرت موجود ہے۔ تو نے لذتوں کے دام میں آکر عمر عزیز کی کتنی گھڑیاں گنوا دیں اور فضل و کمال کے کتنے زینے طے کرنے سے محروم رہ گئے، حالاں کہ سلف صالحین رحمہم اللہ ہر قسم کے فضائل و کمالات کی تحصیل میں خود کو ہمہ تن مشغول رکھتے تھے، اگر ان میں سے کوئی ایک فضیلت بھی جاتی رہتی تو اس کے غم میں ان کی پلکوں سے اشکوں کے آبشار جاری ہو جاتے تھے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ (م ۱۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ ہم کسی بیمار عبادت گزار کی عیادت

میں دائمی قیام پر غور کرو تو اس کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ اب دوبارہ دنیوی زندگی کا جائزہ لو۔ فرض کرو کہ ایک شخص کو ساٹھ سال کی زندگی ملی، تیس سال تو اس نے سونے میں گنوا دیے، اور قریباً پندرہ سال بچپن کے لا اُبابی پن میں گزر گئے۔ اب جو باقی بچے، ان کا اگر دیانت داری سے جائزہ لو تو زیادہ تر اوقات لذات و شہوات اور کھانے کمانے میں بیت گئے۔ اب جو تھوڑی بہت کمائی آخرت کے لیے کی تھی اس کا اکثر حصہ غفلت اور نام و نمود کی نحوست سے اٹا ہوا ہے۔ اب بتاؤ وہ کس منہ سے حیاتِ سرمدی کا سودا کرے گا۔ اور یہ سارا کا سارا سودا انھیں گھڑیوں اور سانسوں پر موقوف تھا۔

احساسِ کمتری سے نکلو اور سمجھو عمل کو ہمیز کرو جانِ پدر! ماضی کی غلطیوں کو یاد کر کے اپنے اندر انابت و رجوع کی للک پیدا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ان نابکار یوں سے مایوس ہو کر عملِ خیر کا جوش ہی ٹھنڈا پڑ جائے۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کی تاریخ میں نہ معلوم کتنے خوش بختوں کی زندگی میں شامِ غفلت کے بعد بیداری کی سحر طوع ہوئی ہے۔

یہ دیکھو شیخ ابو حکیم نہروانی (م ۵۵۶ھ) نے (اپنے والد ماجد) قاضی القضاۃ ابوالحسن علی بن محمد دامغانی رحمہ اللہ (م ۴۸۷ھ) کے حوالے سے کتنا روح پرور واقعہ بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں اپنے عالم طفولیت میں شجاعت و دلیری کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا اور علم و ادب سے میرا کوئی خاص سروکار نہ تھا۔

ایک دن حضرت محمد بن علی دامغانی رحمہ اللہ نے مجھے یاد کیا اور فرمایا: بیٹے! مجھے ہمیشہ تمہارے درمیان باقی نہیں رہنا، لہذا ایسا کرو کہ یہ میں دینار

پکڑو اور کہیں نان کی دوکان کھول کر خود اپنے معاش کے کفیل بنو۔

میں نے عرض کیا: آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ فرمایا: اگر وہ نہیں کر سکتے تو جاؤ کہیں پارچہ فروشی کی دکان ڈال لو۔

میں نے عرض کیا: آپ کس چیز کا مجھے حکم دے رہے ہیں؟ میں قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ دامغانی کا لختِ جگر ہوں۔ کیا یہ چیزیں میرے لیے زیبا ہیں!

فرمایا: جب تمہیں اپنے باپ کی وراثت کا اتنا ہی خیال ہے تو علم و آگہی سے اپنا تعلق اُستوار کیوں نہیں کرتے! میں نے کہا: ٹھیک ہے پھر آج سے میرے درس کا اہتمام فرمائیں، چنانچہ انھوں نے میری تعلیم کا آغاز فرمادیا، ازاں بعد علم کے میدان میں میری دلچسپی بڑھتی چلی گئی اور میری بے تکان جدوجہد کے نتیجے میں پروردگار نے فضل و کمال کے سارے درجے پر وافر فرمادیے۔

حضرت ابو محمد عبد الرحمن بن محمد حلوانی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) کے کسی رازداں نے مجھے بتایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے: جس وقت میرے والد کا انتقال ہوا میری عمر کوئی اکیس سال رہی ہوگی، اور میں لوگوں میں اپنی بیکاری اور آوارگی کی وجہ سے جانا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ میں اپنے موروثہ کسی مکان کے رہائش نشینوں سے تقاضا کرنے گیا تو وہ کہنے لگے: دیکھو آگیا غیر کے ٹکڑوں پر پلنے والا!

یہ سن کر میں نے اپنے جی میں کہا: لوگ مجھے ایسا کہتے ہیں! پھر میں وہاں سے سیدھا اپنی والدہ کے پاس آیا اور عرض کیا: جب آپ کو میری ضرورت پڑے تو مجھے شیخ ابوالخطاب (محفوظ بن احمد کلودانی [م ۵۱۰ھ]) کی مسجد سے بلوایجیے گا، پھر

میں نے ان کی بافیض صحبت اپنے اوپر ایسی لازم کر لی کہ سوائے فطری ضرورت کے باہر نہ جاتا تھا، پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ میں اپنے وقت کا قاضی ہو گیا۔ میں (ابن جوزی) کہتا ہوں کہ میں نے اپنی ان آنکھوں سے انھیں خود فتوے دیتے اور مناظرے کرتے دیکھا ہے۔

شب و روز کا تربیتی انداز!

پیارے بیٹے! طلوع فجر کے وقت جاگ جانے کی عادت ڈالو، وہ وقت بڑا گراں مایہ ہوتا ہے، لہذا اس وقت بطور خاص دنیا کی کوئی بات نہ کرنا، کیوں کہ سلف صالحین رحمہم اللہ کا یہ معمول تھا کہ وہ اُس وقت (امور دینیہ کے علاوہ) دنیا کے کسی معاملے کو زیر بحث نہیں لاتے تھے۔ جب نیند سے بیدار ہو تو یہ دعا پڑھنا نہ بھولو:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ (۱)، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي يُمَسِّكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَّؤُوفٌ رَحِيمٌ (۲)

یعنی تمام تعریفیں اللہ جل مجدہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں وادی موت میں اُتر جانے کے بعد دوبارہ زندگی بخشی اور انجام کار اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ ہر قسم کی حمد و ثنا اس مالک الملک کے لیے زیبا ہے جو آسمان (یعنی خدائی و فضائی کروں) کو زمین پر گرنے سے (ایک آفاقی نظام کے ذریعہ) تھامے ہوئے ہے مگر اسی کے حکم سے (جب وہ چاہے گا آپس میں ٹکرا جائیں گے) بے شک اللہ تمام انسانوں کے ساتھ نہایت شفقت فرمانے والا بڑا مہربان ہے۔ پھر فطری ضرورتوں کی تکمیل کے بعد با طہارت ہو کر قلب و باطن کے پورے جھکاؤ کے

ساتھ سنت فجر ادا کرو پھر ادائے فرض کے لیے سراپا ادب بن کر مسجد پہنچو۔ ہو سکے تو سر راہ یہ دعا پڑھ لو: **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَمَشَايَ هَذَا إِنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشْرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ أَسْأَلُكَ أَنْ تُجِيبَنِي مِنَ النَّارِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ**۔ (۳)

یعنی اے اللہ! تیری بارگاہ میں اٹھے ہوئے مگنوں کے ہاتھوں اور تیرے گھر کی طرف اٹھتے ہوئے قدموں کے تصدق میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا یہ نکلنا تساہلی، برائی اور دکھاوے کا نکلنا ثابت نہ ہو۔ تیرے غضب سے ڈرتے ہوئے تیری رضا کی تلاش میں نکل آیا ہوں۔ تجھ سے بس یہی التجا ہے کہ مجھے آتش جہنم سے آزاد فرما، میرے گناہوں کو غلط کر دے، کیوں کہ بلاشبہ وہ تو ہی ہے جو گناہوں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔

مقدور بھر کوشش کیا کرو کہ امام کے دائیں طرف نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر دس مرتبہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (۱) پڑھا کرو۔ پھر دس مرتبہ ”سبحان اللہ“ دس مرتبہ ”الحمد للہ“ اور دس مرتبہ ”اللہ اکبر“ کہہ کر آیت الکرسی پڑھ لیا کرو، اور پھر اللہ تعالیٰ سے قبولیت نماز کی دعا مانگو۔ اگر دل جستے تو وہیں بیٹھ کر طلوع آفتاب بلکہ اس کے بلند ہونے تک ذکر الہی میں مشغول رہو پھر (نماز اشراق کی) جتنی رکعتیں ہو سکیں ادا کرو، آٹھ ہوں تو بہتر ہے۔

شب و روز کے معمولات

اب سورج کی کرنیں ہر سو بکھر چکی ہیں، اپنے آپ کو علم کی گتھی سلجھانے میں لگا دو۔ ان میں سب سے زیادہ اہم صحت قرأت قرآن ہے، پھر فقہ۔ اگر تم چاشت کے وقت تک اپنے اسباق کی تیاری کر لو تو صلوٰۃ الضحیٰ کی آٹھ رکعتیں پڑھنا نہ بھولو۔ پھر مطالعہ کتب یا تحریر و کتابت کا مشغلہ عصر تک جاری رکھو۔ عصر سے مغرب تک پھر اپنے اسباق کی تیاری میں جٹ جاؤ۔ نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں خاص طور سے پڑھ لیا کرو، جس میں دو جزء قرآن کی تلاوت کیا کرو۔ اب نماز عشا کے بعد پھر اپنے اسباق کو یاد کرنے میں منہمک ہو جاؤ۔

جب بستر پر جاؤ تو تینتیس مرتبہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ تینتیس مرتبہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ اور چونتیس مرتبہ ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ (۱) کا ورد کر کے یہ دعا پڑھو:

اللَّهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ (۲) **مولانا! جس دن (یعنی بروز قیامت) بندوں کی شیرازہ بندی ہوگی اس دن اپنے عذاب و عتاب سے ہمیں بچالینا۔**

جب نیند سے آنکھیں کھلیں، فوراً اپنے پہلو کو خواب گاہ سے جدا کر دو اور یہ سمجھو کہ نفس نے اپنا کام پورا کر لیا ہے، لہذا اٹھو اور جا کر وضو کرو اور نیم شبی کی خلوتوں میں جتنا ہو سکے پروردگار کی بارگاہ میں سجدوں کا خراج پیش کرو، اوسطاً دو رکعتیں ادا کرو ان کے بعد پھر دو مزید رکعتیں جن میں دو جزء قرآن کی تلاوت کرو۔ ازاں بعد تحصیل علم اور اپنے اسباق کی تیاری میں لگ جاؤ، کیوں کہ علم بہر حال ہر طرح کے نوافل سے افضل ہے۔

بقیہ: امت مسلمہ کے دو متضاد پہلو دین میں انفرادی زندگی کا جوش و جہاں تھا اور رعنائی تھی اس سے ہم نے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ زندگی کے ہر شعبے میں ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے، آپ کی ۲۳ سال کی بنوی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہے ایک مکی زندگی، اور دوسری مدنی زندگی ۱۳ سال محیط ہے، اور مدنی زندگی دس سال پر محیط ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو اگر آپ دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ اس میں سیاست نہیں، حکومت نہیں، قتال نہیں، جہاد نہیں، یہاں تک کہ تھپڑ کا جواب تھپڑ سے بھی نہیں بلکہ حکم یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص تم پر ہاتھ اٹھا رہے تو تمہیں ہاتھ نہیں اٹھانا ہے،

حالانکہ مسلمان کتنے ہی کمزور سہی، تعداد کے اعتبار سے کتنے ہی کم سہی، لیکن اتنے بھی گئے گزرے نہیں تھے کہ اگر دوسرا شخص دو ہاتھ مار رہا ہے تو اس کے جواب میں ایک ہاتھ بھی نہ مار سکیں، یا کم از کم مارنے والے کا ہاتھ بھی نہ روک سکیں، لیکن وہاں حکم یہ ہے کہ صبر کرو۔

مکہ میں شخصیت سازی ہوئی!

یہ حکم کیوں دیا گیا؟ اس لئے کہ اس پوری مکی زندگی کا مقصد یہ تھا کہ ایسے افراد تیار ہوں جو آگے جا کر اسلامی معاشرے کا بوجھ اٹھانے والے ہوں۔ تیرہ سالہ مکی زندگی کا خلاصہ یہ تھا کہ ان افراد کو بھٹی میں سلگا کر ان کے کردار، ان کی شخصیت ان کے اعمال اور اخلاق کی تطہیر اور تزکیہ کیا جائے، (جاری ہے)

اب یہاں پر اس حربی میں تین چیزیں جمع ہو گئیں
..کفر، محاربہ اور توہین..

پہلی دو چیزیں اس کے اندر ابتداءً موجود تھیں، مگر وہ
واجب القتل نہیں تھا.. اب اسے حد اُقل کیا جائیگا..
ایک مسلمان گستاخی کر لیتا ہے.. تو اس کے اندر کفر،
ارتداد اور توہین تین چیزیں آگئیں..

ایک ذمی توہین کرتا ہے، تو اس کے اندر کفر، ذمہ
(معتقدین کے قاعدے کے مطابق) اور توہین جمع
ہو گئے.. اب محارب اور گستاخ کو قتل کیا جا رہا.. اور
اس کی وجہ یہی توہین ہے، تو یہ سبب اس ذمی میں بھی
موجود ہے.. گویا ذمی، حربی اور مسلمان گالی کے
اظہار و اعلان میں، جو موجب قتل ہے، شریک ہیں
اور ذمی میں عہد کی جو خصوصیت پائی جاتی ہے، وہ
گالی کے اظہار کو مباح نہیں کرتی.. تو گویا وہ ایسے
فعل کا مرتکب ہوا، جو قتل کا موجب ہے.. اور اس کی
اجازت عہد ذمہ میں نہیں دی گئی ہے.. پس اس کو
قتل کرنا ضروری ٹھہرا..

ہاں احناف کے ہاں اس کو حد نہیں تعزیراً قتل کیا
جائیگا.. اور تعزیر میں حد سے بڑھکر بھی سزا ممکن
ہے، جبکہ حد میں تینکے کے برابر بھی کمی زیادتی ممکن
نہیں..

احناف کا گستاخ ذمی کی سزا کو حد کی بجائے تعزیر
کے تحت لانا دو دقیق اصولوں کی بناء پر ہے.. ایک تو
یہ کہ حدود لزوم ایمان ہوتے ہیں.. جب ذمی کے
پاس ایمان ہی نہیں، تو اسے حد.. جو ایک ایمانی شرط
کی شے ہے، نہیں لگنی چاہیئے.. ہاں اسے سزا دینی
ہے، تو اسے ایک اور ٹائٹل تعزیر کے تحت جتنی چاہو،
سزا دیدو.. چاہو تو قتل کردو.. جلاوطن
کردو.. کوڑے لگا دو.. جرمانہ کردو..

جواب آک غزل

مولانا علی عمران

(حصہ دوم)

مولانا علی عمران ایک جید عالم دین اور فیس بک کے مشہور لکھاری ہیں۔ ممتاز قادری کی شہادت کے بعد
ملک کے کچھ نام نہاد دینی اسکالرز نے گستاخ رسول ﷺ کے قتل کے بارے میں فقہ حنفی پر اشکال کیے
مولانا علی عمران صاحب نے ان کے تلبی بخش جوابات فقہ حنفی کی روشنی میں دیے ہیں۔ (ادارہ)

کیونکہ جہ سے متعین طور پر واجب القتل ہو جاتا ہے..
لہذا ان کے ہاں حربی اور ذمی (بعد از توہین) اور
مسلمان گستاخ ایک ہی درجے کے ہو گئے قتل کے
معاملے میں.. یعنی حد اُقل بلا استثناء..

احناف معتقدین کے ہاں تھوڑی سی تفصیل
ہے.. ذمی اور مسلمان کی حیثیت میں بھی فرق ہے
اور حکم میں بھی..

جیسا کہ کل کی پوسٹ میں بھی عرض کیا تھا کہ احناف
معتقدین کے ہاں ذمہ تو گستاخی سے نہیں ٹوٹتا، تاہم
گستاخ کو قتل کیا جانا درست ہے.. کیونکہ موجب قتل
دشنام اور گستاخی ہے، جو بہر حال ذمی میں بھی موجود
ہے..
ذرا سمجھنے کی کوشش کریں..

حربی مباح الدم ہوتا ہے، لیکن اس کا قتل ضروری
نہیں.. تاہم جب وہ توہین کر لے، تو متعین طور پر
واجب القتل ہو جاتا ہے..

ڈاکٹر طفیل ہاشمی صاحب کا تیسرا سوال یہ تھا کہ گستاخ
کو حد اُقل قتل کیا جائیگا یا ارتداداً.. مرتد کی سزا دی
جائیگی..

میرے خیال میں اصولاً یہ سوال یوں کرنا چاہیئے تھا
مرتد مسلمان کو بطور حد قتل کیا جائیگا یا بطور تعزیر..

اس جگہ ہم ذرا تفصیل سے اس بات کو کھولیں گے کہ
گستاخی کے بعد مسلم اور ذمی کا کیا درجہ اور حکم
ہے.. اس طرح ان شاء اللہ بات بالکل سامنے
آ جائیگی..

آئمہ ثلاثہ کا تو اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان بعد از
توہین مرتد ہو جاتا ہے.. اسے حد اُقل قتل کیا
جائیگا.. جس میں کسی طرح کی توبہ یا سزا میں کمی کا
امکان ہی نہیں..

اسی طرح ذمی کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ
گستاخی سے ان کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے.. وہ حربی بن
جاتا ہے، جو مباح الدم ہوتا ہے.. اوپر سے گستاخی

یہی مطلب ہے متقدمین کے اس قول کا، جو ذمی کے بارے میں آیا ہے کہ یؤدب ولا یقتل... کہ اسے حد قتل نہیں کیا جائیگا... یعنی وجوبی طور پر قتل نہیں کیا جائیگا... جیسا کہ امام جصاص رح نے اس کی تشریح کی ہے... کہ اس کا مطلب ہے ولم یوجب علیہم قتلاً... کہ قتل کرنا واجب نہیں...

اور ابن معید رح نے اس کی تشریح کی ہے کہ یراد بقولہ ولم یقتلوا... ای حد لزوماً بل سیاست... ورنہ قتل کا جواز تو بہر حال ثابت ہے... امام محمد رح نے یہودی عورت کے قتل پر یہ فرمایا تھا کہ ان کا نت تعلن بقتلہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم فلا یأس بقتلہا...

دوسری بات یہ کہ متقدمین احناف نے عذر جہالت کا بہر حال اعتبار کیا ہے... اور یہ فقہ حنفی کا وہ حسن ہے، جس نے اسے دیر پا اور ہر دور میں قابل عمل بنا رکھا...

گویا یہ کہنا بہت بڑا مغالطہ ہے کہ احناف متقدمین کے ہاں ذمی کا قتل ہے ہی نہیں... قتل تو ہے، مگر لزوماً اور حداً نہیں، سیاست اور تعزیراً ہے... اور اس کی بنیاد اس فقہ کے دیگر اصول ہیں... جبکہ یہ بات بھی سامنے رہے کہ تعزیر کا دائرہ حد سے کہیں زیادہ وسیع اور اشد ہے... جیسا کہ صاحبان علم سے پوشیدہ نہیں...

ہاں تعزیر کی وجہ سے مجرم کو کچھ سہولیات بھی عام حالات میں میسر ہو سکتی ہیں، مگر ظاہر ہے کہ شاتم کے معاملے میں امت کے قلوب اظہار غیظ سے ہی ٹھنڈے ہو سکتے ہیں اور اللہ کریم نے بھی قرآن میں شاتم کے قتل کی حکمت ایمان والوں کے اظہار غیظ اور سینوں کی ٹھنڈک بیان کی ہے۔
فاعتبروا یا اولی الابصار...

دوسری طرف خود احناف کے ہاں ہی یہ قول بھی موجود ہے کہ گستاخی سے ذمی کا ذمہ اور عہد ٹوٹ جاتا ہے... اور وہ حربی بن جاتا ہے... امام نسفی، ابن ہمام، امام عینی اور شاہ ولی اللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ جیسے آئمہ احناف اس کے قائل ہیں... اور ابن عابدین رح کے الفاظ میں تو یہ خروج عن المذہب بھی نہیں، بلکہ خود مذہب احناف کا ہی ذرا کم مشہور قول ہے...

لیجئے پڑھئے، "ما يحثه الامام العيني والمحقق ابن الهمام من حيث الانقضاء ايضا، فليس خارجاً عن المذہب بالكلیہ... نعم هو خلاف المشہور..."

یعنی یہ قول بھی خود مذہب احناف ہی کا قول ہے... اسے اختیار کرنے سے بالکلیہ خروج عن المذہب نہیں ہوتا... بوجی گل ہی مکتا کر دی۔

اور متاخرین کا تو گویا اس پر اجماع ہے کہ ذمہ ہی ٹوٹ جاتا ہے... متحدہ ہندوستان سے لے کر علمائے پاکستان تک... سب کا یہی فتویٰ ہے... گویا بحث کی گنجائش ہی ختم...

خود مفتی تقی عثمانی مدظلہ نے کعب بن اشرف کے واقعے میں اس کے قتل کا سبب یوں بیان کیا ہے، "وبسب النبی فصار محارباً، وجاز قتله" مفتی صاحب خود ہی انقضاء ذمہ کے قائل ہیں... پس چہ باید کرد...؟

متاخرین کے نزدیک گستاخی نہ کرنا خود عہد کا حصہ ہے... تو جب گستاخی کر لی، تو ذمہ توڑ دیا... لہذا اب وہ محارب بن گیا... اور اس کا وہی حکم ہے، جو دوسرے آئمہ کا بیان کر دیا... اس پر متاخرین کا فتویٰ ہے... یہی پاکستان کا قانون ہے... اور حکم حاکم ویسے بھی رافع اختلاف ہوتا ہے...

لہذا احناف کا نام لے کر اس قانون سے تجاوز کرنا درست نہیں...

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علمی توارث میں احناف متاخرین کا بہت سے معاملات میں متقدمین سے اختلاف ہے... اور متاخرین کے قول پر ہی فتویٰ بھی ہمارے علمی میراث میں ثابت و موجود ہے... جیسے آئمہ اور قرآء حضرات کو تنخواہ لینا امام صاحب کے نزدیک نامناسب بلکہ جائز نہیں... مگر متاخرین نے ضرورت اور حالات کے تحت جواز کا فتویٰ دیا ہے... اور اسی کا اعتبار بھی ہو رہا... ایسے ہی متاخرین نے اسی خدشے کے پیش نظر... جو آج کا واقعہ بن چکا ہے، کہ کوئی آدمی توہین کرے اور پھر معافی مانگے... اسے معاف کر دیا جائے، تو دوسرا کھڑا ہو... اسے معاف کر دیا جائے، تو تیسرا کھڑا ہو... یوں مسلم معاشرہ غیظ و غضب اور انارکی کا شکار ہو جائیگا... اور شاتمین و مجرمین چھوٹے رہیں گے... بایں وجہ عہد کے نقض اور تعزیر کی بجائے حد کو بطور سزا کے، قبول کر لیا ہے اور اب اسی پر فتویٰ ہے... سو سرے سے یہ مسئلہ محل اختلاف بن ہی نہیں سکتا...

باقی رہا مسلمان کا معاملہ... تو اس میں احناف متقدمین استنبات کا موقع فراہم کرتے ہیں، کم از کم قبل الاخذ... لیکن صرف استنباباً اور بھی محض تین دن کے اندر اندر...

جبکہ متاخرین مثل دوسرے آئمہ کے توہین سے ہونے والے ارتداد پر توبہ کے قائل نہیں... بلکہ ہر حال میں قتل کے قائل ہیں...

مولانا حبیب الرحمن قاسمی (انڈیا)

اسلام اور ترقی نسواں

کا پرفریب پروپیگنڈہ



قوم اور کوئی مذہب ایسا نہیں ملے گا جس میں جنسی انارکی اور فواحش بدکاری کو اچھا اور جائز سمجھا جاتا ہو؛ بلکہ پوری دنیا اور سارے مذاہب اس جرم کی قباحت اور برائی پر متفق و ہم رائے ہیں، البتہ بہت سی قوموں اور مذہبوں میں فواحش، اور ناجائز جنسی تعلقات کی ممانعت کے باوجود ان کے اسباب و ذرائع پر چنداں توجہ نہیں دی جاتی اور نہ ان پر بندش لگائی جاتی ہے۔

جبکہ مذہب اسلام میں جرائم و معاصی کو حرام ٹھہرانے کے ساتھ ان اسباب و ذرائع کو بھی ممنوع و حرام قرار دیا گیا ہے جو بطور عادت جاریہ کے ان جرائم تک پہنچانے والے ہیں، جیسے شراب کو حرام کیا گیا تو شراب کے بنانے، بیچنے، خریدنے اور کسی کو دینے کو بھی حرام کر دیا گیا، سود کو حرام کیا گیا تو سود سے ملنے جلتے سارے معاملات کو بھی ناجائز کر دیا گیا۔ اسی طرح جب ناجائز جنسی تعلق اور زنا کو حرام کیا گیا تو اس کے قریبی اسباب و مقدمات پر بھی پابندی لگادی، چنانچہ اجنبی عورت کو شہوت اور بری نظر سے دیکھنے کو آنکھوں کا زنا، غلط ارادے سے ان کی بات سننے، کونوں کا زنا، اس کے چھونے کو ہاتھوں کا زنا

کے مسئلہ سے الگ ہے، اس مسئلہ میں بھی اتنی بات تو تمام انبیاء، صلحاء، رشیوں، منیوں اور شریف لوگوں میں ہمیشہ سے رہی ہے کہ مردوں سے عورتوں کا بے محابا اور بلا خوف و تاثر اختلاط اور میل و ملاپ نہ ہو، خود ہمارے ملک ہندوستان میں، ہندو دھرم، بدھ مت وغیرہ مذاہب اور دھرموں کے پیروکاروں میں مردوں اور عورتوں کے درمیان بغیر کسی روک ٹوک کے ملنا جلنا گوارا نہیں کیا جاتا تھا، اور تو اور یہ یورپ و امریکہ جو اختلاط مرد و زن کے سب سے بڑے داعی ہیں جنہوں نے عورت کو گھر سے نکال کر اور اسے بے پردہ کر کے بازاروں اور گلی کوچوں میں لاکھڑا کر دیا ہے انہوں نے بھی مذہبی اور دینی شرافت کے حدود اور قدیم روایات کو توڑ کر ہی یہ سب کچھ کیا ہے۔

کوئی ہوشمند اس بات سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ مرد و زن کا بے روک میل و ملاپ اخلاقی تباہ حالی اور بے حیائی و فحش کاری کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس لئے شرافت پسند معاشرے میں اس اختلاط کو کبھی بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ انسانی دنیا جب سے وجود میں آئی ہے اس میں کوئی

مرد و عورت کا وہ مخصوص حصہ بدن جس کو عربی میں ”عورت“ اور اردو و فارسی میں ”ستر“ کہا جاتا ہے، انسان کے ابتدائی عہد یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک، ہر پیغمبر کی شریعت میں اس کا چھپانا فرض رہا ہے، کس عضو بدن کو چھپایا جائے اس کی تعیین و تحدید میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ ”ستر“ کہاں سے کہاں تک ہے مگر اصل فرضیت ستر میں تمام شریعتیں متفق و متحد رہی ہیں۔ ستر پوشی کا یہ حکم عام ہے جس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں، پھر خلوت و جلوت ہر حال میں یہ ستر پوشی ضروری ہے چاہے کوئی دیکھنے والا ہو یا نہ ہو بغیر کسی شرعی و طبعی ضرورت کے تنہائی میں بھی ننگا ہونا مرد و عورت کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

ستر پوشی کا یہ حکم درحقیقت انسانیت سے تعلق رکھتا ہے انسان اپنی انسانیت پر قائم رہتے ہوئے ننگے پن کو گوارا نہیں کر سکتا ہے، کسی نہ کسی حد تک وہ اپنے مخصوص اعضاء کو بہر حال چھپائے رکھنے کو ضروری سمجھتا ہے۔ اسی سے ملتا جلتا ایک مسئلہ اور ہے جسے حجاب مرآۃ اور پردہ نسواں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی عورت کا اجنبی مرد سے پردہ کرنا۔ یہ ستر پوشی

اور اس کے پاس جانے کو پیروں کا زنا کہا گیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے:

العينان زناهما النظر، والاذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الكلام، واليد زناهما البطش، والرجل زناهما الخطى.

آنکھوں کا زنا (اجنبیہ کو شہوت سے) دیکھنا ہے، کانوں کا زنا اس کی باتوں کی طرف کان لگانا ہے، زبان کا زنا اس سے گفتگو کرنا ہے، ہاتھ کا زنا اس کو چھونا و پکڑنا ہے، پیروں کا زنا اس کی طرف جانا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب امور حقیقتاً زنا نہیں ہیں لیکن اس کے اسباب و مقدمات ہیں اس لئے انہیں زنا سے تعبیر کر کے ان کی حرمت کی طرف متنبہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ شہوانی جرائم سے بچانے کے لئے شریعت اسلام میں بطور سدّ و ذرائع کے پردہ نسواں کے احکام نافذ و جاری کئے گئے، اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ شریعت اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب قرار دے کر حرام کر دیا ہے وہ تمام مسلمانوں مرد و عورت کے لئے حرام ہیں خواہ وہ کام کسی کے لئے گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنیں یا نہ بنیں۔ اب وہ بجائے خود ایک حکم شرعی ہیں جس پر عمل سب کے لئے لازم ہے۔ پھر اس حجاب شرعی کے درجات ہیں جو حسب ذیل ہیں:

پہلا درجہ: حجاب ذات کا ہے کہ عورت اپنے آپ کو اجنبی مردوں سے پردے میں رکھے۔ قرآن وحدیث کی رو سے اصل پردہ یہی ہے، آیت پاک ”وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ“ اور جب ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔ اور ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ“

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔ سے اسی پردہ کو بیان کیا گیا ہے کہ شریعت کا اصل مطلوب یہ ہے کہ عورت گھروں میں رہیں، بغیر کسی شرعی یا طبعی ضرورت کے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

دوسرا درجہ: بوقت ضرورت جب گھر سے باہر نکلیں تو برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلیں کہ بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ“ اے نبی اپنی ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیدیں کہ نیچی کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔

جلباب عربی زبان میں اس چادر کو کہتے ہیں جس میں عورت سر سے پیر تک اپنے آپ کو ڈھانک سکے۔ حضرت علی مرتضیٰ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے علوم کے وارث تابعی کبیر عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ نے جلباب کے استعمال کی یہ صورت بیان کی ہے کہ عورت سر سے پیر تک اس میں لپٹی ہو چہرہ اور ناک بھی اس سے چھپے ہوں، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے کھلی ہو، بروایت ابن ابی طلحہ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی استعمال جلباب کی یہی کیفیت منقول ہے۔ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ دونوں روایتیں نقل کی ہیں۔

حضرت عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ علیہ کی اسی تفسیر کو جمہور سلف نے قبول کیا ہے چنانچہ فقہائے اربعہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ علیہ، امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور امام احمد رحمہم اللہ مطلقاً عورت کو اجنبی مرد کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں اور فقہائے

احناف میں شمس اللامئہ سرخسی، اور ابوبکر جصاص رازی وغیرہ اکابر فقہاء نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے، اس لئے کہ اجنبی عورت کو بے پردہ دیکھنے کی حرمت خوف فتنہ کی بنا پر ہے اور یہ فتنہ ظاہر ہے چہرہ کے دیکھنے میں دیگر اعضاء کے مقابلہ میں زیادہ ہے کیونکہ اکثر محاسن چہرہ ہی میں ہیں۔

اور آج کے دور میں جبکہ مغربی طرز معاشرت نے جنسی انارکی کو کوچہ و بازار ہی نہیں بلکہ محفوظ گھروں کی چہار دیواریوں تک پہنچا دیا ہے مسلم خواتین کے لئے اپنی اسلامی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کے لئے پہلے سے بھی زیادہ اسلامی حجاب اور پردہ کی رعایت ضروری ہے۔ انھیں یہ نہیں دیکھنا ہے کہ دنیا اور اہل دنیا کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں بلکہ انھیں یہ دیکھنا چاہئے اللہ اور اس کے پیارے رسول کیا فرماتے ہیں۔ فقہائے اسلام اور محدثین عظام نے قرآن وحدیث کے منشاء و مراد کو کیا بیان کیا ہے اسی میں ان کے دین و دنیا کی بہتری و بھلائی ہے۔ اور یہی ان کی فطری حیاء کا تقاضا بھی ہے۔ اور ترقی نسواں کے پرفریب پروپیگنڈہ سے ہوشیار رہیں کہ یہ ترقی درحقیقت ترقی معکوس ہے جس نے عورت کو گھر کی ملکہ کے منصب سے محروم کر کے دفاتروں میں نوکرائی بنادیا ہے اور اس کی ذات سے لے کر اس کی تصویروں تک کو مردوں کے کاروبار کا ذریعہ بنادیا ہے، اس نام نہاد ترقی نے صنف نازک کو اس قدر برسر بازار رسوا کیا ہے جس کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی۔

”سمجھو زمانہ چال قیامت کی چل گیا“

حالات سے شکوہ کیوں؟

مولانا محمد صدیق مدنی۔ چمن

ہم میں سے اکثر لوگ حالات کا گلہ شکوہ کرتے ہی نظر آتے ہیں اور ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو خود سے بھی بے زار ہی رہتے ہیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے وہ اگر کرنا چاہے تو بہت کچھ کر سکتا ہے نیک نیتی اور جدوجہد سے معاشرہ میں ایک اچھا مقام حاصل کر سکتا ہے مگر اس کے لیے سب سے پہلی شرط ایمانداری ہے اور یہی راستہ کامیابی کا ہے جو ہمیں اپنی منزل تک پہنچا سکا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو باختیار پیدا کیا ہے بے شمار نعمتیں ہمارے لیے ہیں اور اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود ہم معاشرہ میں اپنا مقام نہ بنا سکیں تو پھر ہمیں تنہائی میں بیٹھ کر اپنا احتساب کر کے یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ ہم میں کیا کمی ہے کیوں زندگی کی دوڑ میں ہم پیچھے کو بھاگ رہے ہیں اور جو ہم سے آگے نکل گئے ان میں کیا خوبیاں ہیں ایک بات جو ہم سب کو ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حالات بھی انسان کا ساتھ اس وقت دیتے ہیں جب خود ہمارے اندر آگے بڑھنے کی سچی لگن ہوگی اور ایمانداری ہمارے اندر ہو ہم کسی کی ٹانگ کھینچ کر اوپر چڑھنے کی کوشش نہ کریں ایک دوسرے

کے ساتھ مخلص رہیں صرف دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ اپنے اندر کی پاکیزگی کو قائم رکھنے کے لیے ہم اپنے اندر برداشت کو جنم دیں انتقام انسان کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے اسکی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین کر اسے ناکارہ کر دیتا ہے۔ ہمیشہ وہی افراد تاریخ کے جھروکوں میں زندہ رہتے ہیں جو اپنا آج کل کے لیے محفوظ بنا لیتے ہیں کیونکہ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی اور اکثر ہم پرانی یادوں کو جب یاد کرتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ہم سکول جاتے تھے اور پھر وہ سکول کا زمانہ ہماری آنکھوں میں ایک فلم طرح گزر جاتا ہے کالج کے زمانہ کو یاد کرتے ہیں تو پھر کچھ اور ہی طرح کی یادیں دل و دماغ کو روشن کر کے گزر جاتی ہیں اور جب یونیورسٹی کا سنہرا زمانہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو پورے جسم میں ایک عجیب سے سرشاری اور خمار سا چھا جاتا ہے جس کے سحر سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے مگر یادوں کی یہ حسین گھڑی بھی آخر کار گزر رہی جاتی ہے اور ہم پھر سے اپنی موجودہ دنیا میں لوٹ آتے ہیں اس دنیا میں بے شمار لوگ آئے اپنی زندگی گزاری اور پھر مٹی میں مل گئے مگر جنہوں

نے انسانیت کی خدمت کی اپنی زندگی کو ایک مقصد کے تحت گزارا وہ تاریخ کے اوراق میں آج بھی زندہ ہیں۔۔۔ جو انسان اپنے اندر دوسروں کو پروان چڑھانے کا جذبہ رکھتا ہو اور زندگی کی دوڑ میں کامیابی کی جستجو رکھتا ہو تو پھر حالات خود بخود اس کے حق میں ہونا شروع ہو جاتے ہیں پھر اسکے راستے کا تعین قدرت خود کرتی ہے اور جس معاشرہ میں ایسے افراد موجود ہوں پھر وہ شہر مثالی بن جاتا ہے اور وہ ملک قابل مثال بن جاتا ہے اور ایسے لوگ دنیا میں جہاں بھی چلے جائیں وہاں وہ سر کے تاج سمجھے جاتے ہیں اور وہی لوگ کتابوں میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتے ہیں مگر اس کے لیے پہلی شرط ایمانداری ہے مگر ہم نے اسی چیز سے پیچھا چھڑوا لیا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم حالات کا رونارو کر اپنی بربادی خود پیدا کر رہے ہیں اور آج تک چور بازاری اور لوٹ مار سے کوئی انسان خوش نہیں رہا اگر وہ کسی کے ساتھ فراڈ کر رہا ہے تو وہ اپنے ساتھ ہی فراڈ کر رہا ہے اس لیے انسان کو اپنے آپ سے مخلص رہتے ہوئے دوسروں کے ساتھ بھی وہی رویہ رکھنا چاہیے تب کامیابیاں اسکی راہ میں۔۔۔ (بقیہ صفحہ 19) پر

طیفارانی

محبتوں کے دیس میں!

رب کی رضا کی تلاش میں اُس دیس کا سفر جہاں ”بارود کی بو میں شہدا کے مقدس لہو کی خوشبو مہک رہی ہے“۔ گر ہو سکے تو ساتھ چلو!

جانا تھا۔ نماز عصر کے بعد امیر صاحب نے سوار ہونے کا کہا تو سب ساتھی تیزی سے گاڑیوں میں سوار ہو گئے۔ گاڑیاں اوطاق (مرکز) سے نکلنے کو ہی تھیں کہ امیر صاحب کے فون کی گھنٹی بجی۔ امیر صاحب گاڑی سے اترے اور ایک طرف ہو کر فون سننے میں مشغول ہو گئے۔ ہم خیالوں کی وادیوں میں پشتون آبادی والے علاقے خانشین جا پہنچے تھے۔ جہاں کے باسی خوشی خوشی ہمارے استقبال کو نکل آئے اور محبتوں کے خوبصورت پھول ہماری راہ

میں بچھا رہے تھے۔ انہیں ہمارے آنے کی اس لئے بھی خوشی زیادہ تھی کہ ہم دیار غیر سے ان کی محبت، رب کے حکم کی تعمیل، نصرت المتضعفین، رب کے کلمے کی سربلندی کے لئے عالم کفر سے ٹکرانے ان کے دیس میں مہمان ہونے جا رہے تھے۔ امیر صاحب نے آکر ساتھیوں سے کچھ کہا تو سب گاڑیوں سے اتر گئے۔ خیالات کی دنیا سے واپس آئے تو دیکھا سب کھڑے ہمیں آنکھوں ہی آنکھوں میں ہمیں کچھ کہہ رہے تھے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا ہوا ہمت کی اور امیر صاحب سے پوچھا تو پتہ چلا کہ راستے میں موجود ساتھیوں نے بتایا کہ راستے میں دشمن نے کمین (گھات) لگائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے آج سفر نہیں کیا جائے گا۔ بوجھل دل کے ساتھ امیر سے اجازت لی کہ رات اپنے اوطاق میں ساتھیوں کے ساتھ گزار کہ صبح آجائیں گے تو انھوں نے اجازت دے دی، واپس آئے تو سارے ساتھی ہنس رہے تھے کہ تمہیں اتنی جلدی تھی واپس کیسے آ گئے؟ حال دل تو نہ بتا سکے خاموش ہی رہے۔ دوسرے دن کہیں اور سے بلاوا آ گیا۔ ایک دشت، ایک صحرا، ریت ہی

ساتھیوں سے معلومات لینے کے بعد ہم نے دل میں فیصلہ کیا کہ صوبہ نمرود کے کسی سرسبز علاقے میں تشکیل کروائی جائے۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو خدا کو منظور ہو۔ ہمیں مرکز پہنچے دو دن گزرے تھے کہ امیر صاحب نے بتایا کہ دو ساتھی تیار ہو جائیں۔ خانشین جانے کے لئے۔ (اس وقت تک خانشین ضلع فتح نہیں ہوا تھا) دو ساتھیوں کا سن کہ ہم نے اپنے مرکز کہ ذمے دار سے اجازت چاہی کہ اوپس بھائی اور مجھے اس کی تشکیل کے لئے جانے دیا جائے۔ انھوں نے بخوشی ہمیں اجازت دے دی اور جلدی تیار ہونے کو کہا ہم تو پہلے سے ہی تیار بیٹھے تھے۔ اسلحہ اٹھایا اور ساتھیوں کے ساتھ اُس اوطاق کی جانب چل پڑے جہاں ساتھی خانشین جانے کے لئے اکٹھے ہو رہے تھے۔ امیر صاحب نے بتایا کہ آج دن کو ادھر ہی آرام کریں گے اور شام کو سفر شروع کیا جائے گا۔ اسلحہ پہنے دل عجیب سی خوشی سے سرشار تھا۔ دو گاڑیوں پر اسلحہ اور دیگر سامان لوڈ کیا جا رہا ہے اور ساتھی بھی مختلف اوطاقوں (مجاہدین کے مراکز) سے آتے رہے گل بیس ساتھیوں نے خانشین کی طرف

کچھ ساتھی مرکزی اوطاق کی طرف جانا چاہ رہے تھے، بھائی اسرار انہیں ریگستان کے اُس علاقے تک چھوڑنے جا رہے تھے جہاں سے عوامی گاڑیاں قافلے کی صورت گزرتی تھیں۔ امیر صاحب کے کہنے پر بھائی اوپس اور مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ شام کا وقت ریت کے جھکڑ چل رہے تھے۔ رات چونکہ ہم نے اُسی عارضی قیام گاہ میں گزارنی تھی۔ ٹانگو (ڈبل کین گاڑی) میں سوار ہوئے اور اُس طرف چل پڑے رات ایک بجے کے قریب قافلہ ادھر سے گزرتا تھا۔ اس لئے رات کا کھانا کھانے اور نماز کے بعد پہرے کی ترتیب لگی جو باری باری سب ساتھیوں نے دینا تھا۔ چونکہ ہمارا پہرہ اخیر رات میں تھا اس لئے اپنا بستر اٹھایا اور ریت میں سردے کر لیٹ گئے۔ پچھلے موسم گرما کا اختتام ہونے کو تھا کہ ہمیں سفر جہاد کی اجازت ملی اور ہم افغانستان کے ایک گرم محاذ جنگ پر جا پہنچے۔ اوپس بھائی کی شدید خواہش تھی کہ سفر اکٹھے کیا جائے لیکن کچھ مجبور یوں کی وجہ سے سفر اکٹھے نہ سکا پر ہمارے مرکز میں پہنچے پہنچتے اوپس بھائی بھی ہم سے آملے محاذ سے آنے والے

بقیہ! حالات سے شکوہ کیوں؟

ہاتھ باندھے کھڑی ہوتی ہیں انسان کی زندگی بہت مختصر ہے اور پھر کسی کو اپنی موت کا بھی معلوم نہیں کہ کب اور کہاں اس کا مقدر بن جائے گی اور اسکے باوجود ہم نے منصوبہ بندی ایسے کی ہوتی ہے جیسے ہم نے اس دنیا سے جانا ہی نہیں ہے اور اسی لیے جب موت آتی ہے تو بہت سے کام ادھورے ہی رہ جاتے ہیں جو پھر کبھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ پاتے اس لیے ہم اپنے ہر دن کو غنیمت اور آخری جانیں اپنی سابقہ زندگی پر ایک نظر دوڑائیں اپنی خامیاں اور کوتاہیاں اپنے سامنے لائیں اور انکو اپنی بری حرکتوں سمیت ایک گڑھا کھود کر اس میں دبا دیں۔ اپنے ارد گرد لوگوں پر نظر دوڑائیں کامیاب اور مثالی زندگی گزارنے والوں کی خوبیاں نوٹ کریں اور پھر انہیں اپنے اندر سمیٹ لیں اپنے راستے کا تعین کریں اور پھر ایک بار پوری ایمانداری کے ساتھ اس پر چل پڑیں آپ کو ایسے محسوس ہوگا کہ جیسے مشکلات کا ایک پہاڑ آپ کے سامنے کھڑا ہے مگر ہمت اور حوصلے سے آپ اس پہاڑ کو عبور کرنا شروع کر دیں اسکے بعد پھر کامیابیاں آپ کے ساتھ ساتھ چلنا شروع ہو جائیں گی آپ ثابت قدم رہے تو پر آپ کے ساتھ چلنے والی وہی کامیابیاں آپ کے قدم چوم لیں گی اسکے بعد آپ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے مرنے کے بعد بھی آپ کی تاریخ کے جھروکوں سے باہر جھانکتے رہیں گے اور لوگ آپ کی کامیابی کے قصے سنایا کریں گے مگر شرط صرف ایمانداری ہے کیونکہ یہی کامیابی کا راز ہے

آئے بغیر اچانک دشمن پر جا پڑے۔ عصر کے قریب عوام کی دو گاڑیاں صحرا میں ہماری طرف آتی نظر آئیں ہمیں ہوشیار ہونے کا کہا گیا جب قریب آئیں تو پتہ چلا کہ ان میں ہمارے کچھ ساتھی تھے جو دوسری طرف سی آر ہے تھے۔ علیک سلیک کے بعد معلوم ہوا کہ عوام کے قافلے کو گزشتہ شب اس علاقے کے قریب چوروں نے لوٹ لیا تھا۔ امیر صاحب نے ہم سات ساتھیوں کو ان مقامی ڈرائیوروں کے ساتھ جائے حادثہ جانے کا کہا اور کچھ مشتبہ ٹیلوں کی طرف بھی جانے کا کہا جہاں ممکنہ طور پر چور کسی اور قافلے کو لوٹنے کے لئے چھپے ہو سکتے تھے۔ نماز عصر ادا کی اور ہم سات ساتھی عوامی گاڑیوں میں بیٹھ کر ان ٹیلوں کی طرف روانہ ہوئے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ رات تک مختلف ریتلے ٹیلوں کے گرد چکر لگانے کے بعد ہم ایک گھاٹی میں مجاہدین کے ساتھ آئے چوروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت کے کچھ دن باقی تھے۔ اس لئے ہمارے ہاتھ نہ آئے۔ رات اسی گھاٹی میں گزارنے کے بعد صبح پھر عزم سفر ہوئے، دشمن ہم سے زیادہ دور نہ تھا۔ پر دشمن کے جاسوس سے بچنے کے لئے دو گھنٹے کا یہ سفر اب دوسرے دن میں داخل ہو چکا تھا۔ (دوسرے دن نماز ظہر کے بعد جنگ کا عملی نقشہ ساتھیوں کو بتایا گیا۔ تین دستے تشکیل دیئے گئے۔ دشمن کی پوسٹیں پورے علاقے کا محاصرے کئے ہوئے تھیں کوئی آڑ نہ ہونے کی وجہ سے دشمن کو دور سے ہی دیکھا کہ اپنی پوزیشن مضبوط کر لیتا ہے اسی لئے لمبا راستہ اختیار کیا گیا تھا۔) (جاری ہے)

ریت اور صوکا عالم، جہاں رب کے دیوانے چھوٹے چھوٹے سائبان بنائے رب کی رضا تلاش میں مصروف تھے۔ کہاں سرسبز پہاڑ اور کہاں چمکتی دھوپ میں ریت کا سمندر، ہر طرف سیراب ہی سیراب، ابتدائی چند دن مشکل سے گزرے۔ یہاں صرف پینے کا پانی دستیاب تھا وہ بھی دور سے لاتے تھے۔ وضو اور غسل تو ہفتوں بعد کہیں گھومتے گھومتے کسی بستی جا پہنچتے تو نصیب ہوتا۔ ریت سے دوستی ہوئی تو یہ نرم گرم ریت اچھی لگنے لگی۔ اس سے پاکی حاصل کرتے، یہی ہمارا بستر یہی ہمارا اوڑھنا تھا۔ یہ علاقے نئے آنے والے ساتھیوں کی گزرگاہ بھی تھی اور ریتلے سمندر کے اُس پار دشمن سے برسر پیکار مجاہدین کا مستقر بھی۔۔۔ نئے ساتھیوں کو مرکز تک پہنچانے اسرار بھائی کی معیت میں ہم نے رات شاہراہ ریگستان کے کنارے گزاری۔ صبح نماز کے بعد واپس ریت کے ٹیلوں کے درمیان واقع مرکزی سائبان پہنچے، ناشتہ کیا تو مخا برے (وائر لیس سیٹ) پر ہمیں قریبی واقع ایک جنگل کی طرف آنے کا کہا گیا۔ صحرائیں ایک خاص قسم کی جھاڑیوں کا جنگل)۔ آدھے گھنٹے بعد ہم جنگل پہنچے تو ایک لشکر کا پڑاؤ نظر آیا۔ جو دشمن کو سبق سیکھانے کو تیار تھا۔ اس صحرائی جنگل میں چہل پہل عجیب اک نظارہ تھا۔ نماز ظہر تک ساتھیوں کو آرام اور اپنا اسلحہ تیار کرنے کا کہا گیا۔ جھاڑیوں کے سائے میں جو صرف نام کی حد تک ہی سایا تھا میں بیٹھے ہم خوش گپیوں میں مشغول ہو گئے۔ نماز ظہر ادا کی گئی تو سفر شروع کرنے کا امر آگیا۔ آٹھ گاڑیوں پر مشتمل یہ قافلہ ریگستان میں واقع معروف راستوں سے ہٹ کر چل رہا تھا تاکہ دشمن کے کسی جاسوس کی نظر میں

ایک ہمیشہ سے متنازع رہ جانے والا موضوع:

پولیو کی کیا حقیقت ہے؟

پولیو ڈراپ سے متعلق چونکا نے والی مگر چشم کشا تحریر۔

پولیو ڈراپس کے بارے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ بندروں کے گردوں کے غلیات سے تیار کیا جاتا ہے، جس میں ”STRUCTURE“ ڈی این اے اور آر این اے، پوری طرح موجود ہوتا ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر بند روخنیز کے جسم کے کسی بھی جزء کا اکلاً و شرماً استعمال کرنا بھی شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔

پولیو کی کیا حقیقت ہے؟

اقوام متحدہ کے ادارہ ”یونیسف“ (UNICEF) کی زیر نگرانی ۱۹۸۵ء سے ہندوستان کے طول و عرض میں مرض پولیو کے امداد کے لیے ٹیکے لگانے اور اس کے ڈراپس پلانے کی مہم نہایت زور و شور اور جوش و خروش کے ساتھ جاری ہے۔ اس طرح اب تک بلا مبالغہ اربوں ڈالر اس مہم پر خرچ کئے جا چکے ہیں۔ جب کہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک اور جان لیوا بیماریاں جیسے ٹی وی، کینسر، ایڈس وغیرہ کے ذریعہ ہندوستان اور دیگر ممالک میں لاکھوں لوگ ہر سال لقمۂ اجل بن جاتے ہیں، ان کے خلاف امداد پولیو جیسی زبردست مہم اور ان پر اتنی خطیر رقم کیوں خرچ نہیں کی جاتی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو عوام الناس کے ذہنوں میں پولیو مہم کے سلسلے میں شکوک و شبہات اور اندیشہ ہائے دور دراز پیدا کرنے کا

باعث ہے۔ خصوصاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پولیو ڈراپس پلانے کی یہ زبردست مہم یہودی ممالک ”اسرائیل“ کے علاوہ پوری دنیا خصوصاً ایشیائی ممالک میں انتہائی زور و شور سے جاری ہے اور ہندوستان و پاکستان، بنگلہ دیش اور عرب ممالک جیسے کثیر مسلم آبادی والے ملکوں میں اس پر پورا زور صرف کیا جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا لازمی ہے کہ مال کے حریص یہودی اور عیسائی اس مہم پر اربوں کھربوں ڈالر آخر کیوں خرچ کر رہے ہیں؟ یہ عالم اسلام اور باقی دنیا کے خلاف کوئی خطرناک سازش تو نہیں ہے؟ اس کے علاوہ غور طلب بات یہ بھی ہے کہ دور ماضی میں ملیریا اور چچک کے خاتمے کے لیے ٹیکے لگائے گئے تھے۔ کیا ان کے نتیجے میں یہ بیماریاں اب معدوم ہو چکی ہیں؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ عالمی ادارہ صحت (MEDIA) میں شائع ہو چکی ہے۔ پوری دنیا میں صرف 600 بچے پولیو کا شکار پائے گئے ہیں جب کہ ٹی وی، ایڈس، ملیریا، چچک، اور سرطان یعنی کینسر وغیرہ میں مبتلا افراد کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں میں ہے۔ پھر بھی پولیو کو ختم کرنے کے لئے اربوں کھربوں ڈالر بے تکلف خرچ کئے جا رہے ہیں جب کہ مذکورہ بالا سنگین امراض کی دوائیں روز بروز مہنگی اور عوام کی دسترس سے باہر ہوتی جا رہی ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ ”میڈیا“ میں چھپ رہی خبروں کے مطابق پولیو کی متعدد خوراکیں پلو انے کے باوجود بہت سے بچے پولیو کا شکار ہو گئے۔ انگریزی اخبار ”TIMES OF INDIA“ مورخہ 18-03-2005 کے مطابق صوبہ بہار کے 18 اضلاع میں 2003 میں پولیو کے اٹھارہ

AIDS AND THE DOCTOR(OF DEATH) ہے اور دوسری (کتاب) QUEER BLOOD کے نام سے مارکیٹ میں آئی ہے! ڈاکٹر کیمپ نیل نے لکھا ہے کہ ماضی قریب میں ایک مشہور یہودی سائنس داں جس کا نام ”جوناس ایڈوارڈ سیلک“ (JONAS EDWARD SALK) (تھا وہ) محض ایک اعلیٰ پائے کا بیکٹریا لوجیسٹ (1914-1995) (ہی نہیں تھا، بلکہ ایک بہت بڑا یہودی روحانی پیشوا) (رہی) بھی تھا اور جس کا نام آج بھی یہودی ”حاجات“ (علماء یہود) (اور ربی بڑی عقیدت و احترام سے لیتے ہیں۔ اس نے ۱۹۲۳ء میں امریکہ کے شہر ”کیلی فورنیا“ کے ”لازولہ“ علاقے میں ”سیلک انسٹی ٹیوٹ فار بائیولوجیکل اسٹڈیز“ کے نام سے قائم کی تھی، جس کا شمار دنیا کے عظیم الشان بائیولوجیکل اداروں میں ہوتا ہے۔ اس ادارہ کا سالانہ بجٹ ایک کروڑ بیس لاکھ ڈالر) ساڑھے پانچ ارب روپے (ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں چار سو سے زیادہ ”بایو ٹیکنالوجیسٹ“ جنٹیک انجینئرز) GENETIC ENGINEERS (اور حیاتی علوم کے سائنس داں شب و روز کام کرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر کیمپ نیل کے بیان کے مطابق اس یہودی سائنس داں جوناس سیلک نے ہی اس انسٹی ٹیوٹ کے قیام سے چار سال قبل ۱۹۵۵ء میں ہندوستان اور ”فلپائن“ سے چار ہزار ہندو منگوا کر کیلی فورنیا کے ”بلفٹن“ علاقے میں ندی کے کنارے ایک سنسان مگر پر فضا مقام پر واقع اپنی تجربہ گاہ LABORATORY (میں ان بندروں پر

ہو گئے۔ ”سوڈان“ میں دوائیں بنانے کی فیکٹری قائم کی گئی، تاکہ آئندہ دواؤں سے محروم عراقی بچوں کو موت سے بچایا جاسکے، تو امریکہ نے اس فیکٹری پر بم برسا کر تباہ و برباد کر دیا۔ اتنے بڑے پیمانے پر بچوں کے قاتلوں کو دنیا کے چند بچوں کے معذور ہونے سے بچانے کی فکر کہاں سے لاحق ہو گئی؟ اس بات پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے! عالمی ادارہ صحت (W.H.O.) (جو خالصتاً ایک ”صیہونی ادارہ“ ہے اور صیہونیت کی عالمی تنظیم زنجری) ZENGERY (کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ اس کے طبی بلیٹن جلد ۷: ۲۵۹ (۱۹۷۲ء) کا حوالہ دیتے ہوئے یورپ کے ایک ڈاکٹر الینکیمپ نیل) ALLEN CAMP (B E L L) (رقطرار ہیں۔ ”ٹیکوں) VACCINESS (کے ذریعہ بیماریوں کا مقابلہ کرنے کے نام پر عالمی ادارہ صحت) (W.H.O.) (ہمارے قدرتی دفاعی نظام) NATURAL IMMUNE (SYSTEM) (برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ زمین سے انسانوں کے وجود ہی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔“ ڈاکٹر الین کیمپ نیل“ جو کہ میڈیسن میں ایم ڈی) (M.D.) (ہیں انہوں نے اس بات کا بھی انکشاف کیا ہے کہ ”ایڈز وائرس“ (H.I.V.) (انسانوں کے لئے لیبارٹری میں ہی بنا یا گیا ہے، یعنی GENITICALLY ENGINEERED) (وائرس، قدرتی پیداوار جزو ثمرہ نہیں ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے دو کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ایک کتاب کا نام

معا ملے سامنے آئے تھے۔ اس کے بعد جب وہاں پولیو ڈراپس پلانے کی مہم تیز تر کر دی گئی تو اس کے ایک سال بعد 2004 میں پولیو میں مبتلا ہونے والے بچوں کی تعداد کم ہونے کے بجائے بڑھ کر 41 ہو گئی! کیا یہ انکشاف پولیو ڈراپس پلانے کی اس زبردست مہم کی قلعی کھول دینے کے لئے کافی نہیں ہے۔؟ جہاں تک پولیو ڈراپس پلانے کی یونیسف (UNICEF) (کی تیار کردہ حکمت عملی اور اس کے نتائج کی بات ہے، تو یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ جب 1985ء میں عالمی سطح پر پانچ سال کے بچوں کو پولیو ڈراپس پلانے کا آغاز کیا گیا تھا، تو اس مہم کا نعرہ تھا ”ایک بوند زندگی میں ایک بار“ اور اب یہ نعرہ بدل دیا گیا ہے ”دو بوند پولیو ڈراپ کی ہر بار“ اس طرح اب سال بھر میں تقریباً 40 بار سے بھی زائد یہ خوراک پانچ سال تک کے بچوں کو پلائی جا رہی ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ ایک سوال اور ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اقوام متحدہ (U.N.O.) (کا ذیلی ادارہ برائے بہبود اطفال) (یونیسف) UNICEF (جو ہندوستان کے پولیو کانگراں اور ذمہ دار ہے اور وہ اس پر اب تک اربوں ڈالر خرچ کر چکا ہے۔ اس ادارہ کی انسانی ہمدردی اور بچوں کی فلاح اور بہبود کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۹۱ء کی پہلی خلیجی جنگ کے بعد سے اقوام متحدہ (U.N.O.) (نے صدام حسین کے دور اقتدار کے آخر تک عراق میں ضروری اور جان بچانے والے ادویات پہنچنے نہ دینے کی پابندی لگا رکھی تھی، جس کی وجہ سے وہاں اس تمام عرصہ میں پانچ لاکھ سے زائد بچے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہونے کے بعد مطلوبہ ادویہ نہ ملنے سے فوت

PARALITIC POLIO (ہو جانے کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔ بہر صورت ہندوستان، پاکستان، سعودی، عرب، مصر، یمن، افغانستان، انڈونسیا، ناٹجریا وغیرہ کثیر مسلم آبادی والے ملکوں میں ان پولیو ڈرائپس) OPD (کو پلانے کے بعد بھی اچھے خاصے صحت مند بچوں میں اچانک پولیو POLIO (ہو جانے کے واقعات کے پیچھے یہی حقیقت کارفرما ہے کہ پلائی جانے والی پولیو ڈرائپس OPV (میں موجود ”زندہ وائرس“ ہی پولیو کے اسباب بن جاتے ہیں۔!! ایک امریکی صحافی مائیکل ڈورن نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ امریکہ ۱۹۶۲ء سے ۲۰۰۰ء تک ڈاکٹر ”جوناس سیلک“ کے ذریعہ بنائے گئے پولیو ویکسین تیس سال کے عرصے میں صرف عیسائی بچوں کو ہی پلائے گئے تھے، جبکہ امریکہ کے ڈیڑھ فیصد سے بھی کم یہودیوں نے ”مذہبی اسباب“ کا بہانہ لے کر اپنے بچوں کو پولیو ڈرائپس سے پلانے سے انکار کر دیا تھا۔!! پولیو ڈرائپس) OPD (سلسلے میں سب سے تشویش ناک بات یہ ہے کہ: یورپ میں ”میسوتھیلیو ماسکینر“ MESOTHELIOMAS (کے ماہرین میں سے ڈاکٹر ٹیڈ گرینی) DR. TEDGERNEY (جو ایک خطرناک وائرس SV-40 پر ریسرچ کر رہے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ یہ وائرس SV-40 انسانوں میں کینسر) CANCER (پھیلنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس وائرس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اتنا خطرناک ہے کہ اگلی نسل انسانی میں بغیر کوئی ٹیکہ یا انجکشن لگائے پیدائشی طور پر مستقل ہو سکتا ہے۔ یہ مہلک اور خطرناک ترین وائرس، پولیو ویکسین

ادارے) CDC (نے یہ بتائی ہے کہ پولیو ویکسین کی ان بوندوں میں مردہ پولیو وائرس) ATTENUATED VIRUS (کے ساتھ پولیو کچھ زندہ وائرس بھی پائے گئے ہیں) جو کہ قصداً اس میں شامل کئے گئے ہیں۔ اس سے دوسرے صحت مند بچوں کو بھی یہ مرض لگ سکتا ہے۔ اس کے بجائے اس ادارہ نے امریکہ میں پولیو ڈرائپس) OPD (پلانے کے بجائے پولیو کی انجکشن لگانے کی سفارش کی ہے۔ تاکہ پولیو کے پچھلے خطرات کو کم کیا جاسکے۔ لیکن اس نئے انجکشن کا خرچ اٹھانا عوام الناس میں ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، کیونکہ ایک انجکشن کی قیمت تقریباً پانچ ہزار روپے ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اتنے مہنگے انجکشن ”تیسری دنیا“ یعنی ایشیائی ممالک (کے بچوں کو تو دئے جانے سے قاصر رہے اس لئے عالمی ادارہ * صحت) W.H.O. (اور ”یونی سیف“ UNICEF (جیسے یہودی بین الاقوامی اداروں کے ذریعہ امریکی گوداموں میں کروڑوں کی تعداد میں بیکار ٹیری ”لیڈر لے کمپنی“ مسٹر دشنہ پولیو ڈرائپس کی خوراکیں) OPD (پیکنگ اور لیبل بدل کر دوسری کمپنیوں کے نام سے زبردست پروپیگنڈے کے ذریعہ ایشیائی ممالک میں مفت اور زبردستی پلائی جا رہی ہیں تاکہ غیر یہودی قوموں خصوصاً مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو آپاہیچ بنا کر عالمی داؤدی سلطنت کے ذریعہ یہودی خواہوں کو شرمندہ تعبیر کیا جاسکے! ڈاکٹر الین کیمپ نیل لکھتے ہیں کہ پولیو کی ان بوندوں) OPV (کے پینے سے مستقبل میں نئی نسلوں کے پولیوزدہ ہونے اور ایک خطرناک قسم کے زہریلی جسم کے فالج

کئی سطحوں) STAGES (پر متعدد مرحلوں پر مشتمل تجربات کئے تھے، اور اس کے بعد ان بندروں کے گردوں) KIDNEY (سے حاصل کردہ خلیات) C E L L S (سے پولیو) POLIO (کے پولیو کے مشہور عالم ٹیکہ VACCINE تیار کرنا اسی یہودی سائنس داں کا کارنامہ ہے۔ اس کے بعد امریکہ نے ”جوناس سیلک“ کے بتائے ہوئے پولیو ویکسین کو ہی عالمی امداد پولیو مہموں) WORLD (SWEEPING DRIVES (کے لئے لمبے عرصہ تک استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا! موجودہ دور میں پولیو ویکسین بنانے والی سب سے بڑی بین الاقوامی دوا ساز کمپنی ”لیڈر لے“ (LEDERLE جو یہودیوں کی ہی ملکیت میں ہے وہ رے سیس بندروں) RHESIS (M O N K E Y S (کے گردوں) KIDNEYS (سے ہی یہ ویکسین تیار کر رہی ہے۔ اس کمپنی نے ۱۹۶۹ء سے ۱۹۹۹ء تک تیس برسوں میں ساٹھ کروڑ پولیو ڈرائپس کی فروخت کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔! ”پولیو ویکسین“ کے سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ MEDIA (نے، جواب کے سب یہودیوں کے قبضہ میں اور انہیں کی ملکیت ہیں۔ اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ ”امریکی تحفظ ادارہ برائے تدارک امراض“ یعنی) CDC (نے سات سال قبل یکم جنوری ۲۰۰۰ء سے پولیو کے خاتمے کے لئے پلائی جانے والی اور لی پولیو ویکسین) OPV (پرامریکہ میں مکمل طور پر پابندی عائد کر رکھی ہے، اور اس کی وجہ امریکی تحفظ صحت

کہ W.H.O اور UNICEF کی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہیپا ٹائٹس (بی) HEPATITIS-B (جواب تک دنیا بھر میں پچاس کروڑ سے زائد لوگوں کو لگایا جا چکا ہے، وہ بھی پولیو ڈرائس) OPD کی طرح صیہونی مملکت ”اسرائیل“ میں 8 ہی نہیں لگایا جاتا ہے اور اس پر وہاں مکمل پابندی عائد ہے۔ پولیو ڈرائس) OPD (کے بارے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ بندروں کے گردوں کے خلیات) CELLS (سے تیار کیا جاتا ہے، جس میں ”STRUCTURE“ ڈی این اے) DNA (اور آر این اے) RNA (پوری طرح موجود ہوتا ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر بندروں کی جیسے حرام جانوروں کا نہ صرف گوشت کھانا حرام ہے بلکہ ان کے جسم کے کسی بھی جزء کا اکلا و شراب استعمال کرنا بھی شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔ اس بات کو ہمیں نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ اس کے علاوہ مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر جب ہمارے دیرینہ دشمن یہود، ہماری آئندہ نسلوں کو ناکارہ اور تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو ہم دانستہ طور پر ان کی اسی مہم میں معاون اور آلہ کار کیوں بنیں؟ اگر ہمیں آئندہ نسلوں کا تحفظ اور مستقبل میں مسلمانوں کی بقاء اور ایمان عزیز ہے تو ہمیں ذاتی مفاد اور چند سکوں کے لالچ سے دست بردار ہو کر مسلمانوں کی ”نسل کشی“ کی اس خطرناک مہم سے دامن کش ہو جانا چاہیے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ آج ہمارے بہت سے بے روزگار مسلمان نوجوان اور ۔۔۔ بقیہ صفحہ (29) پر

پہلے چچک کے ٹیکوں) SMALL POX VACCINE (کے ذریعہ، اور اب ہیپا ٹائٹس (بی) HEPATITIS-B (کے ٹیکوں کے ذریعہ WHO کی مدد سے دنیا میں پھیلا یا گیا ہے۔ ۱۱ مئی ۱۹۷۸ء کے ”لنڈن ٹائمز“ میں چھپی رپورٹ کے مطابق افریقی ممالک میں ”ایڈز“ کی بیماری پھیلنے کی وجہ ۱۹۷۲ء میں عالمی محکمہ صحت یعنی WHO اور ”یونی سیف“ UNICEF (کے ذریعہ لگائے گئے چچک کے ٹیکوں) SMALL POX VACCINE (کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ افریقی بندروں کی ایک مخصوص قسم GREEN MONKEY پر ”ایڈز“ کے جراثیم پھیلانے کی ذمہ داری ڈالنا WHO کا ”سفید جھوٹ“ اور قطعی پروپیگنڈہ ہے، کیونکہ بقول ڈاکٹر ڈگلس ایم ڈی بندروں کی ”جین“ GENE کی بناوٹ) STRUCTURE (کا تجزیہ) ANALYSIS (بتاتا ہے کہ بندروں کے ذریعہ قدرتی طور پر ایڈز کے وائرس کا انسانوں کے جسم میں داخل ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ۱۹۷۹ء میں امریکہ کے مختلف شہروں میں آخر ”ایڈز“ وبا کیسے پھیلی؟ کیا وہاں بھی افریقی بندر ”ایڈز“ پھیلانے پہنچ گئے تھے؟؟ حقیقت یہ ہے اس وقت مختلف امریکی شہروں میں ہم جنسی کی لعنت میں گرفتار مردوں کو دے گئے ہیپا ٹائٹس) HEPATITIS - B VACCINE (کے ٹیکوں کے ذریعہ ہی ”ایڈز“ وہاں پھیلا تھا۔ اس سلسلے میں قابل غور بات یہ ہے

OPD (میں پائے جانے کے شواہد ان ہی تجربات کے بعد ملے ہیں اور ان شہادتوں کے بعد کہ پولیو ویکسین) OPD (میں کینسر کا خطرناک جراثیم SV-40 موجود ہے۔ کینسر کے ان ماہرین کی رپورٹ پر ہی امریکہ کے محکمہ تحفظ صحت) CDC (نے امریکہ میں پولیو ڈرائس پلانے پر مکمل طور پر پابندی عائد کی تھی، مگر ”یہودی ربی“ کے دباؤ پر اس حکم امتناعی کی وجہ صرف یہ ظاہر کی گئی اس میں کچھ زندہ پولیو کے جراثیم پائے گئے ہیں۔!! بہر نوع! اس بات میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ عالمی محکمہ صحت) W. H. O. (اور یونی سیف) UNICEF (جیسے صیہونی ادارے ایشیائی ملکوں، خصوصاً ہندو پاک میں زبردستی اور مسلسل ”پولیو ڈرائس“ پلا کر ایشیائی قوموں بالخصوص مسلمانوں کے معصوم بچوں کے خون میں SV-40 نامی کینسر کا وائرس اور پولیو کے زندہ جراثیم دانستہ طور پر پہنچا کر ان کی آئندہ نسلوں کو آ پانیج اور تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جہاں تک ایڈز) AIDS (کے پھیلنے کے ممکنہ خطرات اور امکانات کی بات ہے تو یہ جان لیوا مرض بھی ان صیہونی درندوں کی اپنے دشمنوں) خصوصاً مسلمانوں (کے خلاف حیاتیاتی اسلحوں کی جنگ) BIOLOGICAL WARFARE (کا ایک مہلک ہتھیار ہے، جس کا جرثومہ) VIRUSES (اصلیت میں لیبار ٹری میں مصنوعی طور پر تیار کیا گیا وائرس) GENETICALLY ENGINEERED VIRUSES (ہے، جس کو HIV کا نام دیا گیا ہے۔ یہ جرثومہ جس کو

فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے البتہ وہ حکمت بہت دفعہ کافی عرصہ بعد سمجھ میں آتی ہے۔ یہ اللہ کی رضا ہے اور اس پر راضی رہنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور مزید عطا کرتا ہے۔

مستقبل سے متعلق پریشانیاں!

جہاں تک مستقبل کے خدشات یعنی خوف کا تعلق ہے ان میں سے بہت زیادہ خدشات کا تعلق حقیقت سے نہیں ہوتا۔

آپ آج اپنے خدشات کی فہرست بنا کر کہیں محفوظ کر لیں۔ چھ مہینے بعد اسے پڑھیں آپ حیران ہو جائیں گے کہ میں کتنے غیر حقیقی خدشات کی وجہ سے پریشان تھا۔ آپ جن حالات سے ڈر رہے تھے وہ حالات پیدا ہی نہیں ہوئے اور کئی ایسے اسباب مسبب الاسباب نے پیدا کر دیئے جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔

ان خدشات کو ذہن پر سوار کرنے کی بجائے ممکنہ حالات کے لئے اپنا پورا زور لگا کر تیاری کرنی چاہئے پھر نتیجہ کے بارے میں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اس سے مدد کی دعا کرنی چاہئے۔

ہر کام خود کرنے کی بجائے بہت معاملات کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے۔ وہ علیم وخبیر ذات ہے اور آپ کا آپ سے زیادہ خیر خواہ ہے۔

موجودہ حالات سے کیسے نبٹا جائے؟

اب اگر ماضی کو دفن کر دیا جائے اور مستقبل کی حسب استطاعت تیاری کر کے انجام اللہ پر چھوڑ دیا جائے تو پھر باقی صرف 10 فیصد پریشانیاں بچتی ہیں جن کا تعلق موجودہ حالات سے ہے جن کا فوری مقابلہ کرنا ہے۔ عام طور پر ان سے بچنے کی اہلیت ہر شخص میں ہوتی ہے۔ بشرطیکہ:۔۔۔ بقیہ صفحہ (26) پر

پریشانیوں کی نوعیت کا تجزیہ

پریشانیوں سے کیسے نمٹا جائے!

ایک ایسا لائحہ عمل جو آپ کی پریشانیاں کم کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوگا۔

کسی بھی آدمی کی پریشانیوں کی اگر فہرست بنائی جائے اور اُس کا تجزیہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل صورت حال سامنے آتی ہے:

10 فیصد یا اس سے بھی کم کا تعلق موجودہ حالات سے ہوتا ہے۔ یعنی وہ مسائل جو فوری حل طلب ہوتے ہیں۔

40 فیصد کا تعلق ماضی کے واقعات سے ہوتا ہے۔ ماضی کی یادیں، کسی سے شکوہ، کسی سے نفرت، کاش ایسے نہ ہوتا، کاش میرے ساتھ فلاں یوں نہ کرتا، وغیرہ۔ قرآن میں اس کے لئے حزن کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

50 فیصد یا اس سے بھی زیادہ کا تعلق مستقل کے خدشات سے ہوتا ہے۔ قرآن میں اس کے لئے خوف کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

ماضی سے متعلق پریشانیاں!

جہاں تک ماضی کی پریشانیوں یعنی حزن کا تعلق ہے ان کو یاد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

ان کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنا چاہئے اور واضح الفاظ میں لکھ لینا چاہئے کہ کس واقعے میں کیا غلطی ہوئی تھی۔ اس تجزیے پر محنت کرنی چاہئے۔

اور پھر تہیہ کر لینا چاہئے کہ اگر اسی طرح کے حالات دوبارہ پیش آئے تو یہی غلطی دوبارہ نہیں کروں گا۔

بار بار ماضی کے واقعات کو دہرانے سے صرف حسرت پیدا ہوتی ہے اور پھر حسرت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اس لئے ان پریشانیوں کو شعوری کوشش کر کے ذہن سے جھٹک دینا چاہئے یعنی بھلانے کی شعوری کوشش کرنی چاہئے۔ ماضی کو دفن کر دینا چاہئے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو میرے بس میں نہیں تھا وہ میرا نصیب تھا۔ اور نصیب اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اللہ کا ہر

جہاد گناہوں کا کفارہ

شہید کی کہانی استاد کی زبان

کشمیر کے مظلوموں کی خاطر اپنی جوانی رب کے حضور پیش کرنے والے ایک گمنام شہید مجاہد کی داستان جس کے گرتے آنسو پورے گھرانے کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔ اور روز محشر اس کا لہو گھرانے کی شفاعت کی ذریعہ بن جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

شہید ہو گیا ہے میرے پاؤں سے زمین نکل گئی اور اس کی ساری کہانی یاد آ رہی تھی بہر حال حکم تھا تعمیل ضروری تھی۔ ہم نے گاڑی نکالی اور تین آدمی روانہ ہوئے وہاں مقامی امیر سے رابطہ کیا اور ساری تفصیلات سے آگاہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ اس کے گھر والے اچھے لوگ نہیں ہیں لیکن ہمارے ساتھی بضد تھے کہ شہادت جیسی عظیم نعمت بھلا کسی کو کیوں شاق گزرے گی شہادت کی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تمنا کی ہے۔

ہم جب ہری پور پہنچے تو مقامی امیر نے ہمیں اس کے گھر تک رہنمائی کی لیکن نماز مغرب کا وقت قریب تھا سو ہم مسجد کی طرف چل دیئے لیکن اس کا محل نما گھر دیکھ کر مجھے اس کی تمام باتیں یاد آ رہی تھیں۔ ہم مسجد پہنچے تو وہاں ایک ادھیڑ عمر والا آدمی لوٹوں میں وضو کے لئے پانی بھر کر رکھ رہا تھا اور اس کے بعد اسی شخص نے اذان دی اور ہم نے نماز ادا کی اور امام مسجد کو خوشخبری سنائی تو وہ بھی چند نمازیوں

کو قرضے دیتا ہے اور شراب کا کاروبار کرتا اور خود بھی پیتا ہے اور ماں نانکھہ ہے زنا کا اڈا چلاتی ہے اور دو بہنیں ہیں وہ بھی اس بھٹی میں خوشی سے جل رہی ہیں۔ بہت کوشش کی لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ روتا اس لئے ہوں کہ معلوم نہیں یہاں جہاد کی تربیت کیلئے آنا عبادت ہے یا وہاں اپنے گھر کی اصلاح عبادت ہے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا تو چھوڑ کر اس راستے کی طرف آیا ہوں۔ بہر حال میں نے اس نوجوان پر خصوصی توجہ دینا شروع کر دی اور وہ بھی بہت ہونہار شاگرد تھا۔ تربیت مکمل کرنے کے بعد وہ محاذ پر جانا چاہتا تھا سو میں خود اسے کشمیر محاذ پر چھوڑ کر واپس آیا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا تقریباً عرصہ دو سال گزرا تو معسکر میں خبر آئی کہ فلاں نوجوان کشمیر میں شہید ہو گیا ہے اس کے گھر جا کر خوشخبری دینی ہے میں بھول چکا تھا کہ کون سا لڑکا شہید ہوا ہے تو ایک دوست نے بتایا کہ وہ جو ہر وقت روتا رہتا تھا وہ

ہری پور کا ایک خاموش طبیعت نوجوان لڑکا جہاد کی تربیت کرنے معسکر آیا۔ مکمل توجہ اپنی تربیت پے دیتا تھا اور جب بھی وقت ملتا تو وہ نوافل پڑھتا قرآن کریم کی تلاوت کرتا اور پھر بہت زیادہ روتا یہاں تک کہ سسکیوں سے اس کی ہچکی بند جاتی تھی۔ کچھ دن گزر گئے لیکن اس کے رونے میں کمی نہ ہوئی بلکہ دن بدن وہ اس کے رونے میں تڑپ نکھر رہی تھی بارہا پوچھا کہ کیوں روتے ہو لیکن کوئی مسکت جواب نہ ملا میرا دل بھی بوجھل ہونے لگا بہر حال ایک رات کو اس نوجوان کو اٹھایا اور گھنے جنگل میں لے جا کر درخت سے باندھ دیا اور ارد گرد لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کی تو وہ پھر رونے لگا اور رونے کی وجہ بتانے پر آمادہ ہوا۔

اسے درخت سے کھولا اور اپنے پاس بٹھایا لیکن آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور ٹپ ٹپ اس کے رخساروں سے بہتے ہوئے نیچے گر رہے تھے۔ وہ گویا ہوا کہ استاد جی میرا والد سود پر لوگوں

بقیہ: پریشانیوں کی نوعیت کا تجزیہ

اپنی چادر دیکھ کر اپنے پاؤں پھیلائیں۔
دوسروں سے وہ توقعات وابستہ کریں جو حقیقی ہوں۔
اپنا جائزہ لے کر اپنی غلطیوں کو معلوم کرے اور ان کا
کھلے دل دے اعتراف کرے۔

انسان یا درکھے کہ وہ خدا نہیں ہے اور اس سے برتر
ایک ہستی اس کو کنٹرول کر رہی ہے۔ چنانچہ ناگزیر
سے تعاون کریں اور حقائق کو قبول کریں۔

اپنے سے نیچے کی طرف دیکھیں کہ کتنے لوگ اسے
بھی بدتر حالات میں جی رہے ہیں۔ اگرچہ یہ نعمت
آپ کو میسر نہیں ہو سکی لیکن کتنی ہی ایسی نعمتیں آپ کو
میسر ہیں جو بے شمار لوگوں کو میسر نہیں۔

اگر آپ ناکام ہو گئے ہیں اور آپ کو بالفرض نکلی
ترین چیز مثلاً ایک لیموں ہی ملا ہے تو اسے بھی ضائع
کرنے کی بجائے اس کی شنجبین بنائیں اور مزے
لیکر پی جائیں۔

ماضی کو بھول کر اور مستقبل کے حوالے سے اللہ پر
توکل کر کے آپ 90 فیصد پریشانیوں پر قابو پا سکتے
ہیں اور تازہ دم ہو کر باقی دس فیصد سے احسن طریقے
سے نمٹ سکتے ہیں۔

آج کو گزاریں کل اپنی فکر آپ کر لے گا۔
ہم زندہ رہنے کو ملتوی کرتے رہتے ہیں۔

جتنا اچھا آپ اپنے حال کو گزاریں گے ویسا ہی آپ
کا مستقبل ہوگا کیونکہ جو آپ آج بوئیں گے وہی کل
کاٹیں گے۔ اگر آپ اپنے حال کے مسائل کو اچھی
طرح حل نہ کر سکتے تو وہی آپ کا مستقبل بن جائیں
گے۔

بارے سوچ کر دل میں سوچا کہ یہ ناممکن ہے لیکن
کچھ دنوں بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
خواب میں زیارت ہوئی اور اب کی بار آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے جنت میں میرے بیٹے کو کلائی سے پکڑا
ہوا تھا اور مجھے بھی اپنی طرف بلا رہے تھے اور کہا کہ
اپنے بیٹے کو مت رلاؤ۔

اگلے دن میں بہت شرمندگی سے امام مسجد کے پاس
گیا اور ڈرتے ڈرتے ساری بات بتائی تو امام
صاحب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس
کے خواب میں آئیں وہ جھوٹا خواب نہیں ہوتا۔

پھر میرے بیٹے کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ وہ
کہیں گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے معلوم نہیں ہے تو
اسی وقت امام صاحب نے فرمایا کہ وہ جہاد کیلئے گیا
ہے اور ضرور شہادت کے درجے پر فائز ہوگا۔

بس اس دن کے بعد میں نے وہ محل جیسا بنگلہ
فروخت کر دیا اور سود والوں کو پیسے واپس کر دیئے حتیٰ
کہ اپنے تن سے کپڑے بھی اتار کر صدقہ کر دیئے
اور بیوی اور بیٹیوں کو سب حقیقت بتائی انہوں نے
بھی میرا ساتھ دیا۔

اہل محلہ نے چندہ جمع کر کے ہمیں یہ گھر بنوا دیا ہے
اور میں ریڑھی لگاتا ہوں اور عزت کی روزی کھاتا
ہوں اور میری دونوں بیٹیوں نے مدرسہ میں پڑھنا
شروع کر دیا ہے۔

بس یہ کہانی سن کر ہم سب کی آنکھیں اشکبار تھیں اور
ہم نے واپسی کی اجازت چاہی۔

#نوٹ جہاد واقعی گناہوں کا کفارہ ہے
یہ تھی ایک شہید کی کہانی اس کے استاد کی زبانی

کے ہمراہ ہمارے ساتھ چل دیئے لیکن ہم اس کے
محل نما بیٹے کی طرف جا رہے تھے تو امام صاحب
دوسری گلی کی طرف چل دیئے اور ہمیں بلایا کہ اس کا
گھر اس گلی میں ہے ہمارے تعجب اور حیرانگی میں
دوبدو اضافہ ہو رہا تھا اور جب اس کے گھر میں پہنچے تو
دروازے کی جگہ پر انا سا کپڑا لٹک رہا تھا اور امام
مسجد کی آواز پر وہی شخص نکلا جو مسجد میں وضو کے
لئے پانی بھر رہا تھا اور بعد میں اذان بھی دی تھی۔
اس کے باہر آتے ہی امام مسجد نے اس کو گلے لگالیا
اور ماتھے کو چومتے ہوئے کہا مبارک ہو آپ کا بیٹا
شہادت کے درجے پر فائز ہو چکا ہے۔

میرے تعجب میں ہر لمحہ زیادتی کرتا جاتا تھا بہر حال
ہم بھی ان سے ملے اور مبارک باد پیش کی۔ کچھ
باتیں اور یادیں ان کے ساتھ شیئر کیں۔ لیکن مجھ
سے رہا نہ گیا تو لب کشا کیا اور استفسار کیا کہ محترم
آپ کا بیٹا تو آپ لوگوں کے بارے میں کچھ اور ہی
کہہ رہا تھا لیکن میں نے آپ کو اس کے بالکل مختلف
پایا۔ حقیقت کیا ہے؟

وہ شخص جو سب کو اپنے ہاتھ سے مٹھائی کھلا رہا تھا
خوشی سے پھولے سنا نہیں رہا تھا میرے جملے سے
اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور سر آدھ بھرتے ہوئے
بولے!

وہ بھی ٹھیک کہتا تھا ہماری زندگی بالکل ویسی ہی تھی
اس کے جانے کے کچھ عرصے بعد مجھے خواب میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا بیٹا
تمہارے لئے بہت روتا ہے تم اپنی زندگی کو بدل لو!
میں صبح بیدار ہوا تو سوچنے لگا کہ خواب سچ ہوگا پھر
اپنے سودی کاروبار، شراب نوشی، زنا کے اڈے

مولانا شیخ نعمان

بنیادی اصول قابل اصلاح امور

تجارت کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے حوالے سے ایک جامع تحریر !

شریعت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اس سے میری آمدنی پاکیزہ نہیں رہے گی۔ لہذا جس طرح ہمیں اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ ہماری آمدنی کا ذریعہ حلال ہے یا نہیں؟ اسی طرح یہ بھی اہم ہے کہ ہم کام شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق کر رہے ہیں یا نہیں؟ گزشتہ مضمون میں شرکت و مضاربیت کی ضرورت و اہمیت پر کچھ گفتگو ہوئی تھی، آج شرکت و مضاربیت کے بنیادی اصول دیکھتے ہیں۔ یاد رکھیے! یہاں صرف بنیادی باتیں ہی کی جارہی ہیں، تاہم اہل علم سے ہم مسلسل مشورے میں رہیں اور اپنے کاروبار کو شریعت کے دائرے میں کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ شرکت و مضاربیت کا تعلق ایک سے زائد افراد کا کاروباری مقصد کے لئے جمع ہونے، اور مشترکہ طور پر کاروبار کرنے اور حاصل ہونے والے نفع و نقصان میں شرکت سے ہے۔ شرکت و مضاربیت کے اصولوں کو ہم پانچ عنوانات کے تحت سمجھتے ہیں۔

سب کہاں شرعی اعتبار سے کی پائی جاتی ہے؟ اور یہ کی ایک جائز معاملے کو خراب کر دیتی ہے۔ آمدنی کب حلال ہوتی ہے؟ آمدنی کے حلال ہونے کے لیے دو مرحلے ہیں: ایک یہ کہ بنیادی طور پر ذریعہ آمدنی حلال ہو، جیسے: تجارت یا ملازمت۔ اگر ذریعہ آمدنی ہی حلال نہیں تو چاہے کتنی محنت کی جائے، کتنا ہی امانت داری سے کام کیا جائے، آمدنی حلال نہیں ہو سکتی۔ جیسے اگر جوئے کے ذریعے آمدنی حاصل کی جا رہی ہے تو چاہے کتنے ہی انصاف سے کیا جائے، چاہے کتنا ہی شفاف ہو لیکن یہ حلال نہیں ہو سکتا۔

دوسرے مرحلے میں بنیادی ذریعہ حلال ہونے کے بعد اس ذریعے کے لیے شریعت کے دیے گئے اصول بھی پورے ہونا ضروری ہیں۔ جیسے میرا ذریعہ معاش تجارت ہے۔ حلال ہے۔ لیکن میں چیز کے اپنے قبضے میں آنے سے پہلے بیچ دیتا ہوں۔ یہ

اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ ہماری آمدنی حلال ہے؟ یقیناً ہم تھوڑا سا سوچ کر یہ جواب دے دیں گے: ہاں! حلال ہے۔ مثال کے طور پر میں ملازمت کرتا ہوں، یہ ایک حلال ذریعہ آمدنی ہے۔ میں تجارت کرتا ہوں، یہ ایک حلال ذریعہ معاش ہے۔ میں نے مکان کرائے پر دیا ہوا ہے، یہ روزگار کا ایک حلال ذریعہ ہے۔ میں نے اپنا سرمایہ مضاربیت کی بنیاد پر لگایا ہوا ہے، اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں۔ میں کسی دوسرے کے سرمائے سے کام کر رہا ہوں، شریعت نے اسے بھی ایک حلال ذریعہ آمدنی بنایا ہے۔ کسی شریک کے لیے متعین مقدار نفع کی مقرر کرنا درسیب نہیں۔ جیسے ہونے والے نفع میں سے 10 ہزار روپے تو ایک شریک کے لیے مقرر کر دے جائیں۔ اس کے بعد بچا ہوا نفع دوسرے کے لیے یا پھر بقایا نفع کو تقسیم کر لیا جائے، یہ درست نہیں کیا میرا یہ جواب درست ہے؟ کیا کسی کام کا شرعاً اصولی طور پر حلال ذریعہ آمدن ہونا، میری کمائی کے پاکیزہ ہونے کے لیے کافی ہے؟ کیا میں مطمئن ہو جاؤں کہ چونکہ میں تجارت کر رہا ہوں اور تجارت کو شریعت نے ایک حلال ذریعہ آمدن قرار دیا ہے، لہذا میری آمدنی حلال ہے؟ یا مزید بھی مجھے سوچنے کی ضرورت ہے؟ کیا صرف اصولی طور پر ذریعہ آمدنی کا حلال ہونا کافی ہے؟ یا اپنی آمدنی کو حلال کرنے کے لیے مزید ذمہ داری بھی میرے اوپر ہے؟ آئیے! دیکھتے ہیں اس حوالے سے شریعت ہم سے کیا مطالبہ کرتی ہے؟ مزید شرکت و مضاربیت کی بنیاد پر میں کما رہا ہوں تو شریعت اس کے کیا اصول مجھے دیتی ہے؟ مروجہ شرکت و مضاربیت میں ہم

شرکاء کے لیے اصول!

کاروباری معاہدات کے لیے شریعت کا عام اصول ہے کہ یہ معاہدات وہ شخص کر سکتا ہے جس میں بنیادی اہلیت ہو۔ بنیادی اہلیت حاصل ہونے کا فیصلہ سمجھ داری کی بنیاد پر ہوتا ہے، یعنی ایک تو کاروباری معاہدہ کرنے والا پاگل، مجنون، مدہوش نہ ہو اور ساتھ ساتھ بالغ اور کاروباری سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہے۔ یہی عام اصول شرکت و مضاربہ کے لیے بھی ہوگا کہ شرکت و مضاربہ کرنے والے شرکاء سمجھ دار لوگ ہوں، جو شریعت اور قانون کی نظر میں معاہدے کے نتیجے میں آنے والی ذمہ داریاں قبول کرنے کے قابل ہوں۔ سرمائے کے لیے اصول

سرمائے کے حوالے سے اصولی بات تو یہ ہے کہ سرمایہ نقد صورت میں ہو، لیکن مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اس حوالے سے فرماتے ہیں: ”مشارکہ میں لگایا جانے والا سرمایہ نقد شکل میں بھی ہو سکتا ہے اور غیر نقد اشیا کی شکل میں بھی، دوسری صورت میں غیر نقد اشیا کی بازاری قیمت کے ذریعے ”راس المال“ میں اس شریک کے حصہ کا تعین کیا جائے گا۔“ (اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص: 96) عبارت میں راس المال سے مراد سرمایہ ہی ہے۔ یہ اصول جس طرح شرکت کے لیے ہے، اسی طرح مضاربہ کے لیے بھی ہے، لہذا سرمایہ نقد شکل یا اشیا دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ شرکت یا مضاربہ کے آغاز میں ہی یہ متعین ہو جائے کہ کل سرمایہ کتنا ہے اور شرکت کی صورت میں کس شریک کا سرمایہ کتنا ہے۔ کیونکہ نفع نقصان کا حساب اس ابتدائی سرمائے کی بنیاد پر ہی کیا جاتا ہے۔

نفع و نقصان کی تقسیم کے اصول!

شرکت و مضاربہ کا معاہدہ کرتے ہوئے یہ اصول ذہن میں رہیں:

1 نفع کی تقسیم کی شرح طے کر لی جائے، مثلاً: اگر دو افراد مل کر کوئی کاروبار کر رہے ہیں۔ ہر ایک نے 5،5 لاکھ روپے لگائے۔ اب معاہدے کے وقت ہی یہ بات طے کرنا ضروری ہوگا کہ ملنے والا نفع کس شرح سے تقسیم ہوگا۔ مثال کے طور پر 50:50 کی شرح سے تقسیم ہوگا یا 60:40 کی شرح سے۔

2 نفع کی مقدار حقیقی نفع کی شرح سے طے کی جائے۔ یہ بات بھی ضروری ہے کہ نفع کی تقسیم کی شرح حقیقی منافع کی نسبت سے طے ہو جائے جیسے یہ کہ ہونے والے حقیقی نفع کا 40 فیصد ایک شریک کا اور 60 فیصد دوسرے شریک کا ہوگا۔

3 سرمایہ کاری کی نسبت سے نفع کی مقدار طے کرنا درست نہیں، جیسے: دو افراد نے 6 اور 4 لاکھ سے کاروبار شروع کیا۔ اب 6 لاکھ والا یہ کہے کہ میری سرمایہ کاری (6 لاکھ) کا 10 فیصد میرا نفع ہوگا باقی تمہارا تو یہ درست نہیں ہوگا۔ یہ بالکل ایسا ہوگا جیسے سود کی صورت میں ہوتا ہے کہ مجھ سے یہ 6 لاکھ قرض لے لو اور اس پر 10 فیصد سود دے دینا۔ یہ جائز نہیں۔

4 کسی شریک کے لیے متعین مقدار نفع کی مقرر کرنا درست نہیں۔ جیسے ہونے والے نفع میں سے 10 ہزار روپے تو ایک شریک کے لیے مقرر کر دے جائیں۔ اس کے بعد بچا ہوا نفع دوسرے کے لیے یا پھر بقایا نفع کو تقسیم کر لیا جائے، یہ درست نہیں۔

5 نفع میں شرکت کی کوئی بھی شرح طے کی جاسکتی ہے۔ البتہ وہ شریک جس کے لیے کام نہ کرنے کی شرط ہو، اس کے نفع کی شرح اس کے سرمائے کی

شرح سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس کو اس طرح سمجھیں کہ عامر، آصف اور فیصل تین دوستوں نے مل کر کاروبار شروع کیا۔ عامر نے 20 لاکھ، آصف نے 30 لاکھ اور فیصل نے 50 لاکھ کا سرمایہ لگایا۔ اس ایک کروڑ میں عامر کا 20 فیصد، آصف کا 30 فیصد اور فیصل کا 50 فیصد سرمایہ ہے۔ ان میں سے عامر کہتا ہے کہ میں نے کاروبار میں پیسہ تو لگایا ہے لیکن میں کام نہیں کروں گا۔ باقی دو بھی اس پر راضی ہیں۔ اب آصف اور فیصل کے لیے تو جو چاہیں باہمی رضامندی سے نفع کی تقسیم کی شرح رکھ سکتے ہیں، مثلاً: آصف اور فیصل کے لیے 40،40 فیصد نفع طے کر لیا جاتا ہے۔ اب اس صورت میں عامر کو زیادہ سے زیادہ نفع کا 20 فیصد مل سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نفع کی تقسیم کی شرح عامر کے لئے مقرر کرنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا سرمائے میں حصہ 20 فیصد ہے۔

6 نقصان ہمیشہ سرمائے میں شرکت کی شرح سے ہی برداشت کرنا ہوگا۔ مضاربہ کی صورت میں چونکہ 100 فیصد نفع سرمایہ کار کا ہے تو نقصان بھی پورا اسی کو برداشت کرنا پڑے گا۔ کام کرنے والے کی محنت ضائع ہو جائے گی۔ اوپر دی گئی مثال میں نفع میں تو آصف اور فیصل کی شرح نفع 40،40 فیصد ہے، لیکن نقصان کی صورت میں آصف 40 فیصد اور فیصل 50 فیصد نقصان برداشت کرے گا۔

7 مضاربہ کی صورت میں مختلف کاروباروں کے لئے تقسیم نفع کی مختلف شرح رکھی جاسکتی ہے، جیسے: سرمایہ کار پیسے دے کر کہے کہ اگر تم ٹیکسٹائل سیکٹر میں کاروبار کرو، تو ہونے والے نفع میں میں 50 فیصد نفع لوں گا اور اگر سیمنٹ انڈسٹری میں کاروبار کرو

گے تو ہونے والے نفع میں 40 فیصد نفع میرا ہوگا۔
8 مضارب یعنی کاروبار کرنے والا اپنے نفع میں حصے کے علاوہ کسی تنخواہ یا کسی اور اخراجات کا حقدار نہیں ہوگا، جیسے: ایسا کوئی معاہدہ کرنا کہ ہونے والے نفع میں مضارب کا 50 فیصد حصہ ہوگا، مزید یہ چونکہ کام کر رہا ہے تو ماہانہ 5 ہزار روپے اس کی تنخواہ بھی ہوگی، یہ درست نہیں ہوگا۔

کاروبار کے انتظام کے لیے اصول شرکت کا عمومی اصول تو یہ ہے کہ تمام شرکا کو کاروبار کا انتظام سنبھالنے کا حق ہے۔ البتہ مضارب کی صورت میں سرمایہ لگانے والا فریق معاہدہ کرتا ہی اس شرط پر ہے کہ وہ صرف سرمایہ لگائے گا اور دوسرا فریق کاروبار کا نظم سنبھالے گا، لہذا وہ رب المال (سرمایہ لگانے والا) مضارب (کام کرنے والا) شریک کی مرضی کے بغیر کاروباری انتظام میں مداخلت نہیں کر سکے گا۔ اسی طرح شرکت میں بھی تمام شرکا کو کاروبار میں حصہ لینے کا حق ہے، لیکن جو شریک کام نہ کرنا چاہے تو وہ اپنے حق سے دستبردار ہو سکتا ہے۔ جو شرکا کاروباری عمل میں حصہ لے رہے ہوں گے تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ دوسرے شرکا کے وکیل ہونے کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ یوں کاروبار کی ذمہ داری تمام شرکا پر لازم ہو جائے گی، جیسے: اگر ایک شریک دوسروں کی رضا مندی کے ساتھ قرض لیتا ہے تو وہ تمام شرکا پر لازم ہو جائے گا۔

کاروبار کو ختم کرنے کے اصول!

1 شرکت و مضاربیت اصولی طور پر عقود غیر لازم ہیں۔ یعنی تمام فریق میں سے جو چاہے دوسرے کی رضامندی کے بغیر اس عقد کو ختم کر سکتا ہے۔

2 شرکا میں سے کسی کے انتقال کی وجہ سے بھی شرکت کا کاروبار ختم ہو جائے گا۔
3 اسی طرح شرکا میں سے کوئی ایک بھی اگر شرعاً یا قانوناً اہل ہو جائے تو بھی یہ معاہدات ختم ہو جائیں گے۔

کاروبار جاری رکھتے ہوئے شرکت ختم کرنا!

کیا یہ ممکن ہے کہ کاروبار چلتا رہے اور شرکا میں سے جو جانا ہے، چلا جائے؟ اس کا جواب ہے: ہاں، ممکن ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ کاروبار چلانے والے شرکا اس شریک کا حصہ خرید لیں جو کاروبار چھوڑ کر جانا چاہ رہا ہے۔ مزید یہ شرط معاہدے کے شروع میں بھی لگائی جاسکتی ہے کہ کسی خاص مدت سے پہلے یہ کاروبار ختم نہیں کیا جائے گا۔ اس دوران اگر کوئی جانا چاہے تو اپنا حصہ شرکا کو بیچے اور چلا جائے۔ اس طرح کاروبار چلتا رہے گا اور شرکا چاہے کم وبیش ہوتے رہیں۔ یہ کچھ بنیادی اصول شرکت و مضاربیت کے آپ کے سامنے پیش کیے باقی تفصیلی احکام ہم اہل علم سے معلوم کر سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی کاروباری زندگی کے علم کو سیکھیں اور اپنی کاروباری زندگی کو شریعت کے مطابق گزاریں۔ یاد رکھیے! نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج تمام عبادات مبارک ہیں لیکن ایک حرام کا لقمہ ہمیں تمام عبادات کی قبولیت سے محروم کر سکتا ہے۔ ہم اپنی کاروباری زندگی پر توجہ دیں اور اسے شریعت کے احکامات کے مطابق گزاریں۔ اللہ پاک ہم سب کو مکمل دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ: پولیو کی کیا حقیقت ہے؟

پردہ نشین خواتین ذاتی مفاد اور چند روپیوں کے لالچ میں پولیو (POLIO) کی اس زہریلی مہم کے ورکر بنے ہوئے ہیں اور گھر گھر جا کر یہ میٹھا زہر (SLOW POISON) (مسلمانوں کے معصوم بچوں کے حلق میں اتارتے ہوئے جھجک تک محسوس نہیں کرتے۔ اور غضب بالائے غضب یہ ہے کہ اب ”علماء کرام“ کو بھی اس اسلام دشمن اور انسانیت سوز مہم میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ اور بعض علماء اپنی سادہ لوحی اور حقیقت سے لاعلمی کی بنا پر اپنے دشمن یہودیوں کی اس ”جنگیمہم“ میں ان کے معاون اور آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں وہ حق تعالیٰ کا یہ فرمان برابر پڑھتے اور طلباء عزیز کو پڑھاتے رہتے ہیں: ”لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عداوةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودُ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مودةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَٰلِكَ بَانَ مِنْهُمْ قِصِينَ وَرَهْبَانًا وَ انْهَم لَا يَسْتَكْبِرُونَ“۔ (المائدہ: ۸۲) ”لوگوں میں مومنوں کا سب سے سخت دشمن تم قوم یہود کو پاؤ گے اور ان لوگوں کو جو شرک کرتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے نرم گوشہ ان لوگوں کے دلوں میں ہے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں درویش اور عبادت گذار لوگ پائے جاتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔“ کیا ہمارے علماء کرام اور دردمندان ملت اس سلسلے میں اپنی خصوصی توجہ مبذول فرما کر کوئی عملی قدم اٹھانے کی زحمت گوارہ فرمائیں

حضرت اُبی بن کعب انصاری

سید المسلمین

آفتابِ ہدایت کا ایک روشن ستارہ

معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوائل عمر میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ گئے تھے اور ان کا شمار انصار کے تعلیم یافتہ لوگوں میں ہوتا تھا۔ مولانا سعید انصاری مرحوم نے سیر انصار میں یہ رائے ظاہر کی ہے غالباً حضرت اُبیؓ اسلام سے پہلے توراۃ پڑھ چکے تھے اور اسی کا اثر تھا کہ اسلام کی آواز نے انہیں بہت جلد اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت اُبیؓ عہد شباب میں دُخت رز کا شوق بھی کرتے تھے اور ان کے سوتیلے باپ ابو طلحہؓ کی محافل ناؤ نوش کے سرگرم رکن تھے۔ (قبول اسلام

کے بعد دونوں کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوا۔ حضرت ابو طلحہؓ زید بن سہل انصاری، حضرت اُبیؓ کے ماموں زاد بھائی تھے اور رزم و بزم میں ان کے ساتھی تھے) حضرت اُبیؓ کے سعادت اندوز اسلام ہونے کے بارے میں مشہور روایت یہ ہے کہ انہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں مکہ جاکر رحمت عالم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ لیکن تاریخ و سیر کی اکثر کتابوں میں اصحاب عقبہ ثانی کی جو فہرست دی گئی ہے۔ اس میں حضرت اُبیؓ بن کعب کا نام نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ بیعت عقبہ سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ رہی یہ بات کہ وہ بیعت عقبہ میں شریک ہوئے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ بہر صورت ہجرت نبویؐ سے پہلے ان کا شرف ایمان سے بہرور ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔ ہجرت کے بعد سید الانام ﷺ نے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو انصار میں سے حضرت اُبیؓ بن کعب کو سب سے پہلے وحی لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس لحاظ سے ان کو انصاری کا تین وحی میں امتیازی درجہ

کہ ان کو قرآن سنائیں۔ سید المسلمین حضرت اُبیؓ بن کعب انصاری تھے۔ سیدنا حضرت اُبیؓ بن کعب انصاری کا شمار تاریخ اسلام کی ان مہتمم بالشان شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کو دربار رسالت میں نہایت ممتاز درجہ حاصل تھا اور جن کی جلالت قدر اور رتحر علمی پر مسلمانوں کے سبھی مکاتب فکر کا کامل اتفاق ہے۔ حضرت اُبیؓ کا تعلق انصار کی نہایت معزز شاخ نجار (خزرج) کے خاندانی بنی جدیلہ سے تھا۔ شجرہ نسب یہ ہے: اُبیؓ بن کعب بن قیس بن عبید بن زیاد بن معاویہ بن عمر بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج الاکبر۔ والدہ کا نام صہیلہ تھا جو خاندان عدی بن نجار سے تھیں۔ حضرت اُبیؓ دو کنیتوں سے مشہور تھے ایک کنیت ابوالمندر تھی جو رحمت عالم ﷺ نے رکھی تھی۔ دوسری کنیت ابو الطفیل جو ان کے بیٹے طفیل کے نام کی نسبت سے حضرت عمر فاروقؓ نے رکھی تھی۔ سید الانصار، سید المسلمین اور سید القراء حضرت اُبیؓ کے القاب تھے۔ حضرت اُبیؓ کے لڑکپن اور جوانی کے حالات کتب سیر میں نہیں ملتے۔ البتہ بعض روایات سے

ہجرت نبویؐ سے چند سال بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن میانہ قد اور اکھرے بدن کے ایک گورے چٹے پاکیزہ صورت آدمی بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بڑے ادب سے حضور ﷺ کو سلام کیا اور پھر آپ کی خدمت میں بیٹھ کر ارشادات نبویؐ سے مستفیض ہونے لگے۔ ایک ایک سرور عالم ﷺ پر آثار وحی طاری ہوئی اور زبان رسالت پر قرآن حکیم کی ایک سورۃ جاری ہو گئی۔ وہ صاحب وحی الہی کا ایک ایک لفظ بغور سنتے اور اس کو لکھتے جاتے تھے۔ جب جبریل امین علیہ السلام پیغام الہی پہنچا کر واپس چلے گئے تو رحمت عالم ﷺ نے ان صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو قرآن سنایا کروں (تا کہ تمہیں یاد ہو) ان صاحب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟

حضورؐ نے فرمایا: ہاں! یہ سن کر وہ صاحب فرط مسرت سے بے خود ہو گئے اور بے اختیار رونے لگے۔ یہ صاحب رسول جن کا خود رب ذوالجلال والا کرام نے نام لے کر اپنے حبیب پاک کو حکم دیا

حاصل ہے۔ ہجرت کے چند ماہ بعد حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت اُبیؓ کو جلیل القدر صحابی (یکے از عشرہ مبشرہ) حضرت سعید بن زید کا اسلامی بھائی بنایا۔

غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت اُبیؓ بدر سے لے کر طائف تک تمام غزوات میں رحمت عالم ﷺ کے ہمراہ رہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت اُبیؓ کو غزوہ اُحد میں ایک تیر ہفت اندام میں لگا جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے۔ سرور عالم ﷺ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے ان کے علاج کے لیے ایک طبیب بھیجا جس نے رگ کو کاٹ دیا۔ حضورؐ نے اس رگ کو اپنے ہاتھ سے داغ دیا اور حضرت اُبیؓ کا زخم جلد ہی مندمل ہو گیا۔ حضرت اُبیؓ کو رحمت عالم ﷺ سے بے پناہ محبت تھی اور کلام الہی سے بھی گہرا شغف تھا۔ چنانچہ وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ بارگاہ نبویؐ میں گزارتے تھے۔ حضورؐ ان کو قرآن سناتے اور حفظ کراتے تھے اور کتابت وحی کی خدمت بھی لیتے تھے۔ اس طرح ان کو بارگاہ رسالت میں خصوصی تقرب حاصل ہو گیا تھا۔ قرآن حکیم سے حضرت اُبیؓ کا غیر معمولی شغف اس قدر مقبول ہوا کہ خود ذات باری تعالیٰ نے حضرت اُبیؓ کا نام لے کر رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ ان کو قرآن سنایا کریں۔ ارشاد ربانی کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے حضرت اُبیؓ کی تعلیم پر خاص توجہ فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قرآن حکیم کے حافظ اور قرآنی علوم و معارف کے بہت بڑے عالم بن گئے ان کی قرأت سرور عالم ﷺ کو اس قدر پسند تھی کہ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے بڑے قاری

ابیؓ بن کعب ہیں۔ ایک دفعہ حضورؐ نے حضرت اُبیؓ سے دریافت فرمایا کہ قرآن میں کون سی آیت بے انتہا عظمت کی حامل ہے؟ حضرت اُبیؓ نے عرض کیا آیۃ الکرسی، ان کا جواب سن کر حضورؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ اُبیؓ تمہیں یہ علم مسرور کرے۔

رحمت عالم ﷺ نے حضرت اُبیؓ کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جو چاہیں اور جب چاہیں آپؐ سے پوچھیں۔ چنانچہ وہ بڑی آزادی کے ساتھ فیضان نبویؐ سے خوب خوب فیضیاب ہوتے تھے۔ بعض اوقات سرور عالم ﷺ ان کو بغیر پوچھے بھی قرآن حکیم کے اسرار و رموز سے آگاہ فرماتے تھے۔ خود حضرت اُبیؓ بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اُبیؓ کیا میں تجھ کو ایسی سورت نہ بتاؤں جو نہ توراۃ میں ہے نہ زبور میں اور نہ انجیل اور نہ قرآن ہی میں اس جیسی اتاری گئی۔ میں نے عرض کیا، بے شک ضرور بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا: بے شک میں اُمید کرتا ہوں کہک تو اس دروازہ سے نکلنے نہ پائے گا یہاں تک کہ تو اس کو جان جائے گا۔ اس کے بعد آپؐ کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، آپؐ مجھ سے بات کر رہے تھے اور میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا تو میں نے پیچھا ہٹنا شروع کیا اس خوف سے کہ آپؐ اس سورۃ کی خبر دینے سے پہلے ہی دروازے سے باہر نہ چلے جائیں۔ جب میں دروازے کے قریب ہوا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ سورۃ جس کا آپؐ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہو تو کس طرح پڑھتے ہو؟ میں نے سورہ فاتحہ پڑھی۔ آپؐ نے فرمایا وہ سورۃ

یہی ہے اور یہ سبع مثانی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (سورہ 15 رکوع 6) اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں۔ اور قرآن عظیم دیا۔ رحمت عالم ﷺ کو حضرت اُبیؓ کے حفظ قرآن اور حافظہ پر پورا اعتماد تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے ایک آیت پڑھنا بھول گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضورؐ کو خود اس آیت کا خیال آ گیا، صحابہؓ سے پوچھا کہ کسی نے میری قرأت پر خیال کیا تھا، تمام صحابہؓ خاموش رہے لیکن حضرت اُبیؓ بن کعب نے فوراً عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپؐ نے فلاں آیت نہیں پڑھی، کیا یہ منوخ ہو گئی ہے یا سہواً ترک ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں میں پڑھنا بھول گیا۔ میں جانتا تھا کہ تمہارے سوا اور کسی کا دھیان اس طرف نہ گیا ہوگا۔ ایک مرتبہ حضرت اُبیؓ کو ایک آیت کی قرأت کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے اختلاف پیدا ہوا۔ دونوں سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اپنی قرأت کے مطابق یہ آیت پڑھ کر آپؐ کو سنائی۔ حضورؐ نے فرمایا: تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو۔ حضرت اُبیؓ کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا اور انہوں نے حیران ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں بھی ٹھیک پڑھتا ہوں اور عبد اللہ بھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

کہنے کو تو یہ الفاظ کہہ دیئے لیکن رعب نبوت نے جسم پر کپکپی طاری کردی اور پسینے میں نہا گئے۔ حضورؐ نے ان کی حالت دیکھی تو ان کے سینے پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا: الہی اُبیؓ کا شک دور کر۔ اَنَا فَا نَا

ان کا دل وسوسہ سے پاک ہو گیا اور اس معاملہ میں ان کو پورا اطمینان ہو گیا۔ رحمت عالم ﷺ کا سحاب لطف و کرم حضرت اُبیؓ پر ایسا جھوم جھوم کر برساکہ وہ عہد رسالت میں ہی مسند درس و افتاد پر فائز ہو گئے۔ لوگ ان سے قرآن پڑھتے اور مختلف مسائل دریافت کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ایرانی صاحب رسولؐ نے ان سے قرآن پڑھنا شروع کیا، جب اس آیت پر پہنچے اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقْوَمِ طَعَامُ الْاَشْيَمِ تو ایرانی صحابیؓ کی زبان سے اشیم کی بجائے یتیم نکلتا تھا۔ بہت کوشش کی لیکن ان سے صحیح تلفظ ادا نہ ہو سکا۔ بالآخر ان کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مشکل بیان کی۔ حضورؐ نے ایرانی سے فرمایا۔ ہو طعام الظالم انہوں نے یہ الفاظ بالکل صحیح ادا کیے۔ سرور عالم ﷺ نے حضرت اُبیؓ سے فرمایا: ان کی زبان درست کرنے کی کوشش کرتے رہو، اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ مشہور صحابی حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی نے حضرت اُبیؓ بن کعب سے قرآن پڑھا تو انہوں نے ایک کمان ہدیہ پیش کی حضرت اُبیؓ اس کو لگا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے پوچھا اُبیؓ یہ کمان کس نے دی ہے؟ عرض کیا: طفیل بن عمرو دوسی نے، میں نے اسے قرآن پڑھایا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: اس کو واپس کر دو ورنہ یہ جہنم کے ایک ٹکڑے کا قلاوہ بن جائے گی۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے شاگردوں کے ہاں کھانا بھی تو کھا لیتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ کھانا بطور خاص تمہارے لیے تیار نہیں کیا جاتا اگر تم کھانے کے موقع پر پہنچ گئے اور اس میں شریک ہو گئے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن جو چیز خاص

تمہارے لیے تیار کی جائے۔ اگر تم اس کو استعمال کر لو تو اپنی آخرت کے اجر کو ضائع کرو گے۔ ایک اور روایت میں خود حضرت اُبیؓ بن کعب کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو قرآن کی ایک سورۃ سکھائی اس نے میرے پاس ایک کپڑا ہدیہ بھیجا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا اگر تو نے اس لے لیا تو تجھے آگ کا کپڑا پہنایا جائے گا۔ حضرت اُبیؓ رحمت عالم ﷺ کے ارشادات کا ایک ایک لفظ بغور سنتے تھے اور اس کو حرز جان بنا لیتے تھے۔ ایک دفعہ بارگاہ رسالت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ جو بیمار ہوتے ہیں یا دوسری تکلیفیں اٹھاتے ہیں اس میں بھی کچھ ثواب ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: ہاں یہ بیماریاں اور تکلیفیں مسلمان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ حضرت اُبیؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ کیا معمولی تکلیفیں بھی گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہیں؟ فرمایا: چھوٹی چھوٹی تکلیفیں کیا، مسلمان کو ایک کاٹنا بھی چھب جائے تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے۔ یہ سنتے ہی جوش ایمان کی یہ کیفیت ہوئی کہ بے ساختہ زبان پر یہ دعا جاری ہو گئی الٰہی میں ہمیشہ بخاری میں مبتلا رہوں مگر نماز باجماعت، حج، عمرہ اور جہاد کے قابل رہوں۔ یہ دعا فوراً دراجابت پر پہنچ گئی۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت اُبیؓ کو ہر وقت خفیف سے حرارت رہتی تھی شاید اس کی وجہ سے ان کے مزاج میں بھی قدرے حدت پیدا ہو گئی تھی۔ 9 ہجری میں رحمت عالم ﷺ نے حضرت اُبیؓ کو قبائل بلی، عذرہ اور بنو سعد میں عامل صدقات بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اپنے فرائض نہایت دیانت

اور جفاکشی کے ساتھ انجام دیئے۔ ایک دفعہ کسی گاؤں میں گئے تو ایک شخص نے اپنے تمام جانور ان کے سامنے لا کر کھڑے کر دیئے کہ ان میں سے آپ جو چاہیں چن لیں۔ انہوں نے اونٹ کا ایک دو سالہ بچہ لے لیا۔ جانوروں کے مالک نے کہا: یہ بچہ آپ کے کس کام کا، یہ جوان اور فربہ اونٹنی لے جائیں۔ حضرت اُبیؓ نے کہا: نہیں نہیں یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف ہے بہتر یہ ہے کہ تم میرے ساتھ مدینہ منورہ حضورؐ کی خدمت میں چلو، آپ جو حکم دیں گے اس کی تعمیل کرنا۔ جانوروں کے مالک بڑے مخلص مسلمان تھے وہ حضرت اُبیؓ کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور وہی اونٹنی حضورؐ کی خدمت میں پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم یہی اونٹنی بخوشی دینا چاہتے ہو تو دے دو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ انہوں نے برضا و رغبت یہ اونٹنی صدقہ میں دے دی اور خوش خوش اپنے گاؤں کو مراجعت کی۔ ایک دفعہ حضرت اُبیؓ نے کہیں سے ایک تھیلی پڑی پائی۔ کھول کر دیکھا تو اس میں سو دینار تھے دوڑے دوڑے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ سال بھر تک اس کا اعلان کرتے رہو۔ وہ سال بھر ان دیناروں کا اعلان کرتے رہے لیکن کسی نے ان کی ملکیت کا دعویٰ نہ کیا۔ حضرت اُبیؓ پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں سال بھر تک لوگوں کو خبر کرتا رہا لیکن کوئی یہ رقم لینے نہیں آیا۔ حضورؐ نے فرمایا ایک سال اور انتظار کرو اگر کوئی شخص رقم کی مقدار اور تھیلی کا نشان بتا کر ان دیناروں کا دعویٰ کرے تو اس کے حوالہ کر دینا ورنہ یہ مال تمہارا ہو چکا۔ حضرت اُبیؓ

کو قرأت قرآن میں ایسا کمال حاصل ہو گیا تھا کہ خود حامل وحی و نبوت ﷺ ان سے قرآن کا دورہ فرمایا کرتے تھے، اپنے سال رحلت (11 ہجری) میں بھی حضرت اُبیؓ کو (آخری بار قرآن سنایا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا: مجھے جبریل امین علیہ السلام نے آکر کہا کہ اُبیؓ کو قرآن سنا دیجئے۔ رحمت عالم ﷺ کے وصال کے بعد خلافت کا مسئلہ پیدا ہوا تو حضرت اُبیؓ ان چند صحابہ میں سے تھے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے تاہم جب جمہور مسلمانوں کی رائے کے مطابق حضرت ابوبکرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو حضرت اُبیؓ نے خوشدلی سے ان کی بیعت کر لی۔ صدیق اکبرؓ حضرت اُبیؓ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ جب انہوں نے قرآن حکیم کی ترتیب و تدوین کا کام اہل علم صحابہ کرام کی ایک جماعت کے سپرد کیا تو حضرت اُبیؓ اس جماعت کا امیر مقرر کیا۔ وہ قرآن کے الفاظ بولتے جاتے تھے اور لوگ ان کو لکھتے جاتے تھے اگر کسی آیت کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں اختلاف ہو جاتا تو سب اس کو مل کر طے کرتے تھے۔ صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے حضرت اُبیؓ کو مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا۔ وہ حضرت اُبیؓ کی جلالت علمی اور اصابت رائے کے بے حد معتقد تھے اور ان کا غیر معمولی اعزاز و اکرام کرتے تھے اور اہم ملکی اور دینی معاملات میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان (حضرت اُبیؓ) کو سید المسلمین کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ”ہم سب سے بڑے قاری

اُبیؓ ہیں۔“ اسی طرح حافظ ابن عبد البر علیہ الصلوٰۃ والسلام الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے متعدد طرق سے یہ روایت ہم کو پہنچی ہے کہ آپؓ نے کہا، ہم میں علم قضا کے سب سے بڑے ماہر علی بن ابی طالبؓ اور حفظ قرآن میں سب سے بڑے اُبیؓ ہیں۔ سید محمد علی ہلاوی نے اپنی کتاب، التعریف بالنبی بالقرآن الشریف، میں مستند حوالوں کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ مشکل مسائل میں حضرت اُبیؓ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور پیچیدہ مقدمات میں ان سے فیصلہ کراتے تھے اور آپؓ انہیں سید المسلمین اور سید القراء کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں نماز تراویح کو باجماعت کیا تو حضرت اُبیؓ بن کعب کو مردوں کا اور حضرت سلیمان بن ابی حمزہ کو عورتوں کا امام مقرر فرمایا۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ اگرچہ حضرت اُبیؓ پر بے حد مہربان تھے اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے لیکن حضرت اُبیؓ دینی معاملات میں مطلق ان کی رو رعایت نہ کرتے اور جس بات کو حق سمجھتے بر ملا اس کا اظہار کر دیتے تھے۔ کنز العمال میں ہے کہ حضرت عمرؓ کا ایک شخص پر گزر ہوا جو یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ والسابقون الاولون من المهاجرین والأنصار والذین اتبعوہم باحسان آپؓ ٹھہر گئے اور کہا ذرا ادھر تو آؤ، وہ آپؓ کے پاس آیا تو آپؓ نے پوچھا، تمہیں یہ آیت کس نے یاد کرائی ہے۔ اس نے کہا یہ مجھے ابی بن کعب نے یاد کرائی ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ چلو ابی بن کعب کے پاس۔ وہ آپؓ کو ساتھ لے کر اُبی کے پاس آیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ اے ابوالمنذر یہ شخص کہتا ہے کہ تم

نے اسے یہ آیت تعلیم کی ہے۔ اُبیؓ نے کہا سچ کہتا ہے میں نے یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سنی ہے۔ حضرت عمرؓ نے (تعجب سے) کہا تم نے اس کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سنا ہے۔ اُبیؓ نے کہا، ”ہاں“ تیسری بار پوچھنے پر بڑے غصے سے کہا کہ ہاں خدا کی قسم! اس کو اللہ نے جبریل علیہ السلام پر اور جبریل علیہ السلام نے محمد ﷺ کے قلب پر نازل کیا۔ بیشک خطاب اور اس کے بیٹے سے مشورہ نہیں لیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ وہاں سے باہر نکلے اس طرح کہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر اسی سلسلے میں کنز العمال میں اور روایتیں بھی ملتی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

ایک دفعہ ابوذر داءِ اہل شام کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ مدینہ منورہ لائے ان لوگوں نے حضرت اُبیؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ ایک دن ان میں سے ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی آیت پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو بھیجا کہ اُبیؓ کو بلا لاؤ۔ اس وقت اُبیؓ اپنے اونٹ کو چارہ دے رہے تھے۔ امیر المؤمنین کا پیغام ماتو قاصد سے پوچھا کہ کیا کام ہے؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا تو حضرت اُبیؓ کو غصہ آگیا اور اس حالت میں دربار خلافت میں حاضر ہوئے کہ ہاتھ میں چارہ تھا اور دامن چڑھا رکھا تھا، حضرت عمرؓ نے وہ آیت ان سے پڑھوائی اس کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہی آیت پڑھیں، انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔

(جاری ہے)

عزم جہادی آپریشن کے آخری 100 دنوں کی رپورٹ

صوبائی دارالحکومت گردیز شہر کے مربوط علاقہ میں ایٹلی جنس چیف اور اہم کمانڈر درمحمد اور ضلع احمد آباد کے مچلگو کے علاقے میں فوجی یونٹ کا کمانڈر دین محمد قتل ہوا۔

تخار، تین کمانڈر قتل

ضلع وردق کے موسیٰ زئی کے علاقے میں اہم جنگجو کمانڈر گل جمعہ، ضلع خواجه بہاء الدین کے شاخ کہنہ کے علاقے میں جنگجو کمانڈر حبیب، ضلع وردق کے اسلام آباد کے علاقے میں کمانڈر رضا شہید زخمی ہوا، جو بعد میں زخموں کا تاب نہ لاسکا اور چل بسا۔

جوزجان، تین کمانڈر ہلاک

ضلع آقچہ کے مربوط علاقہ میں 2 جنگجو کمانڈر یوسف اور ابراہیم خان اور ضلع فیض آباد کے گرجیگ کے علاقے میں معروف جنگجو کمانڈر ایوب قتل ہوا۔

خوست، دو کمانڈر ہلاک

ضلع شیخ امیر کے بورہ خیل کے علاقے میں مشہور کمانڈر تاج علی عرف ڈاڈوال اور ضلع میدان کے شاولی کے علاقے میں کمانڈر جھانگیر ہلاک ہوا۔

زابل، چار کمانڈر ہلاک

صوبائی دارالحکومت قلات شہر کے مربوط سپینہ غبرگہ میں واقع چوکی کا سابق کمانڈر روزی عرف گوڈ، ضلع میزان جانے والے روڈ پر ضلع ارغنداب کے پولیس چیف کمانڈر سخی داد، ضلع شاہ جوئی کے عبد الرؤف قلعہ کے علاقے میں واقع چوکی کے نائب

عطا محمد، ضلع مرغاب میں کمانڈر ضیاء الدین اور ضلع سنگ آتش کے مبارک شاہ کے علاقے میں سرلج نورس کے کمانڈر ابرہیم ہلاک ہوا۔

بدخشان میں جنگجو کمانڈر قتل

ضلع کشم کے سورتگے کے علاقے میں اہم جنگجو کمانڈر زکریا ہلاک ہوا۔

بغلان، چار کمانڈر ہلاک

ضلع نہرین کے آب خانے کے علاقے میں اہم جنگجو کمانڈر شیر احمد، مرکزی بغلان میں واقع بایستال بیس کے مشہور کمانڈر دولت، جو ہر تپہ اور چوکیوں کا اہم کمانڈر سالار اور فابریکے کے علاقے میں پولیس اہلکاروں کا اہم کمانڈر خدا نداد ہلاک ہوا۔

بلخ، تین کمانڈر ہلاک

ضلع چار بولک کے قرش تپہ کے علاقے میں معروف جنگجو کمانڈر اسلم، ضلع چاہی کے بچگہ کے علاقے میں کمانڈر وحید اللہ اور ضلع چار بولک کے بولک کے علاقے میں مشہور جنگجو کمانڈر نور محمد ہلاک ہوا۔

پروان، چار کمانڈر قتل

ضلع سیاہ گرد میں 3 مشہور اور بدنام زمانہ کمانڈر مشتاق، کمانڈر نقیب اور کمانڈر خلیل۔ اور ضلع سیاہ گرد کے باغ دشت میں واقع چوکی کا اہم جنگجو کمانڈر اولیا چاقو سے ہلاک ہوا۔

پکتیا، دو کمانڈر ہلاک

امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین نے کٹھ پتلی دشمن کے خلاف ہر طرح موثر جنگی حکمت عملی، بارودی سرنگوں، شہیدی حملوں اور کمین گاہوں کو اس نوعیت سے ترتیب دیا ہے کہ ایک طرف سے عوام کو کوئی نقصان نہ پہنچ پائے اور دوسری جانب دشمن کو حواس باختہ ہو کر ان کا کمر ٹوٹ جائے، عزم جہادی آپریشن کے آخری سورت میں کٹھ پتلی انتظامیہ کے ایک سوسات کمانڈروں کی ہلاکت سے ان کے فوجیوں، پولیس اہلکاروں اور مقامی جنگجوؤں کے نقصانات کا اندازہ ہو سکتا ہے، درج ذیل میں دشمن کے مارنے جانے والے کمانڈروں کا فہرست صوبوں کے ترتیب سے دیا گیا ہے۔

روزگان، 6 کمانڈر قتل

صوبائی دارالحکومت ترینکوٹ شہر میں جانان آغا مارکیٹ کے قریب کمانڈر میراجان، ضلع چنار تو کے توری گاری کے علاقے میں واقع چوکی کا کمانڈر، ضلع چورہ کے نظم عامہ کے اسٹینٹ کمانڈر جبار خان، اور شورہ چپینہ کے علاقے میں واقع چوکی کا کمانڈر، اور پیر وشہ کے علاقے کے چھ چوکیوں کا کمانڈر جمع اللہ اور ضلع چارچپینہ کے ہتھوٹے کے علاقے کا کمانڈر نسیم ہلاک ہوا۔

باغیس میں 4 کمانڈر ہلاک

ضلع درہ بوم کے زردک کے علاقے میں کمانڈر نقیب، ضلع قادس کے خیر خانہ کے علاقے میں کمانڈر

کمانڈر نعمان عرف بنگالے کا بیٹا اور صدر مقام قلات شہر کے مربوطہ علاقے میں بابا لگ نامی چوکی کے کمانڈر اور نوخیز کے علاقے میں واقع چوکی کا کمانڈر محمد آمین ہلاک ہوا۔

سرپل، چار کمانڈر قتل

چشمہ شیریں میں کمانڈر خیر اللہ عرف رسولی، صوبائی دار الحکومت سرپل شہر میں عزیز بیگ کے قریب کمانڈر وکیل خان سبجاری اور انگوت کے علاقے میں 2 کمانڈر سیف اللہ اور جمعہ خان قتل ہوئیں۔

غزنی، پانچ کمانڈر ہلاک

ضلع داغری کے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر کے قریب گوڈلو کے علاقے میں ظالم کمانڈر کمال خان، ضلع شگلر میں نصف دورا ہی کے علاقے میں معروف جنگجو کمانڈر نیکو، ضلع گیرو کے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر کے قریب پولیس چیف کمانڈر حضرت گل، ضلع شگلر کے غوثان کے علاقے میں اہم کمانڈر کرش اور ضلع قرہ باغ کے میرک کے علاقے میں مشہور جنگجو کمانڈر اسماعیل ہلاک ہوا۔

فاریاب، دو کمانڈر قتل

ضلع پشتو کوٹ کے آقدہ کے علاقے میں کمانڈر مؤمن اور چقماق کے علاقے میں چوکی کا کمانڈر ہلاک ہوا۔

فراہ میں 8 کمانڈر ہلاک

صوبائی دار الحکومت فراہ شہر کے حلقہ نمبر 3 کے علاقے میں دو آفسر ظاہر اور داود، ضلع خاک سفید کے خوشت کے علاقے میں کمانڈر رشکور، ضلع فراہ رود کے بازار میں واقع چوکی کا کمانڈر، ضلع پشت رود میں کمانڈر عبدالقیوم، ضلع بالابلوک کے شیوان کے علاقے میں کمانڈر جھانگیر اور کمانڈر نور اللہ اور

ضلع پرچن کے پاسک کے علاقے میں کمانڈر حمید قتل ہوا۔

قندہار، میں 9 فوجی اور جنگجو کمانڈر قتل

ضلع خاکریز کے سلامی کے علاقے میں واقع چوکی کا کمانڈر شبا زخان، ضلع میوند کے خاک چوپان کے علاقے میں کمانڈر عبد الرزاق، ضلع بولدک کے سرحد داری کے علاقے میں ایٹلی جنس اسٹیٹ کمانڈر عتیق اللہ، قندہار شہر کے حلقہ نمبر چار کے علاقے میں کمانڈر اسد، ضلع شاولیکوٹ کے تانہ کے علاقے میں کمانڈر رشید خان، ضلع ژڑئی کے ماکوان کے علاقے میں کمانڈر آغا ولی اور کلان کچہ کے علاقے میں کمانڈر آکا، ضلع دامان کے سالو خان کاریز کے علاقے میں امریکی ایٹلی جنس کے معتمد اہلکار کمانڈر خان آغا اور ضلع تختہ پل کے نزل کے علاقے میں کمانڈر خان ہلاک ہوا۔

کابل، میں ایک کمانڈر ہلاک

ضلع قرہ باغ میں سیاف کا اہم کمانڈر نقیب اللہ مقتناطیسی، بم سے 3 محافظوں سمیت ہلاک ہوا۔

قندوز میں سات فوجی کمانڈر ہلاک

دشت آرچی میں زخمی ہونے والا کمانڈر خبیر عرف شکیب جو بعد میں کابل شہر میں واقع ہسپتال میں ہلاک ہوا، ضلع خان آباد کے چھارسرئی کے علاقے میں کمانڈر داود شاہ اور مذکورہ علاقے میں کمانڈر بایک، ضلع امام صاحب کے مربوطہ علاقہ میں اہم جنگجو کمانڈر ویدار اور اسماعیل قشلاق کے علاقے میں فوجی یونٹ کا کمانڈر ذبیح، اور ایک اہم جنگجو کمانڈر بوشکہ، اسی طرح جوئی بیگم کے علاقے میں اہم جنگجو نور اللہ ہلاک ہوا۔

کنڑ میں 8 کمانڈر ہلاک

ضلع مانوگئی کے ٹٹیل کے علاقے میں واقع فوجی یونٹ پر حملے سے مشہور اور ظالم کمانڈر محمود، ضلع ناڑئی کے کانتے میں واقع فوجی یونٹ پر حملے سے کمانڈر عاشق، صوبائی دار الحکومت اسعد آباد کے تیشئی کے علاقے میں واقع فوجی مرکز کا کمانڈر فیض محمد، ضلع سرکانو کے مربوطہ علاقے میں قلاشر نامی چوکی کے قریب ضلعی پولیس چیف کمانڈر ڈاکٹر حاجی اور اہم جنگجو کمانڈر انعام اللہ، ضلع ناڑئی کے کانتی کے علاقے میں واقع فوجی یونٹ کا کمانڈر دولت، مذکورہ ضلع کے مربوطہ علاقے میں شیرگل نامی چوکی کا اہم جنگجو کمانڈر آباد خان، اور نانگل نامی چوکی کا اہم کمانڈر رطلہ ہلاک ہوا۔

لوگر، میں چار فوجی کمانڈر قتل

ضلع برکی برک کے چلتن کے علاقے میں جنگجو کمانڈر نجیب تندر، ضلع محمد آغا کے زرغون شہر کے علاقے میں 203 نمبر تندر نامی فوجی چھاونی کے حلقوی کمانڈر جنرال محمد جان عرف ہمت، صوبائی دار الحکومت کے التیمور کے علاقے میں پیشل فورس کے کمانڈر غفران اور کمانڈر جنگجو زرگری ہلاک ہوا۔

نعمان، تین کمانڈر ہلاک

صوبائی دار الحکومت مہتر لام بابا کے بدلیج آباد علاقے میں کمانڈر سلام اور بسرام کے علاقے میں صوبہ نورستان ضلع دو آب کے پولیس چیف کمانڈر عنایت اور ضلع علیشنگ کے گلوتہ کے علاقے میں اہم کمانڈر پیر محمد قتل ہوا۔

میدان وردگ، چار کمانڈر ہلاک

ضلع سید آباد میں سپائی کانوائے کا مسؤل کمانڈر زلمی، صوبائی دار الحکومت کے زانخیل کے علاقے میں اہم جنگجو کمانڈر اسلام الدین،۔۔۔ (بقیہ 37) پر



سوشل میڈیا سے چیدہ چیدہ!

کیا اسی لیے پاکستان بنا تھا؟

دینی مدارس واقعی دہشت گرد ہیں؟

f

دارالعلوم دیوبند کا فیض!

کیا اسی لیے پاکستان بنا تھا؟

پاکستان اسلام کے نام پہ معرض وجود میں آیا تھا، اس ملک کی بنیادوں میں لاکھوں شہداء کا خون شامل ہے، ہزاروں عفت مآب ماؤں بہنوں نے اس ملک کی خاطر اپنی عصمتیں لٹوا دیں، مسلم لیگ نے اسلام کا نعرہ لگایا لیکن اسلام تو نافذ نہ ہو سکا لہذا اس ملک پہ کرپٹ حکمرانوں نے قبضہ کر کے ملکی خزانے کو باپ کا مال سمجھ کر لوٹا، اس ملک میں اسلام پسند طبقہ کو جس نے اس ملک کی خاطر سب سے زیادہ قربانی دی تھی ان کا جینا دو بھر کر دیا گیا، مدارس جو اسلام کے قلعہ ہیں ان پہ دہشتگردی کا لیبل لگا کر بلا جواز چھاپے مارے گئے مساجد مدارس پہ بم برسا کر سینکڑوں معصوم طلباء طالبات کو شہید کر دیا گیا، دوسری طرف کالجوں یونیورسٹیوں کو کھلی چھٹی دے دی گئی نجی تعلیمی اداروں میں طالبات سے گنجے بڈھے وائس چانسلرز کی موجودگی میں ڈانس کروا گئے درجنوں

مدارس والوں کے منظور نظر مولانا حسن جان مدنی نے جس دن دہشت گردوں کے خلاف فتویٰ دیا اس سے اگلے روز شہید کر دیئے گئے، کسی نے انجینئرنگ، میڈیکل اور سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہو تو 2 کروڑ لگا کر باہر ممالک میں جاتا ہے اور کسی نے دین کی اعلیٰ تعلیم یعنی پی ایچ ڈی بھی کرنی ہو تو پوری دینا سے پاکستان میں آتا ہے صرف کرایہ لگا کر، یہاں قیام بھی مفت، طعام بھی مفت۔

سیدی عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا تھا: ”دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں ان کی بقاء میں اسلام کی بقاء ہے“ اور امام الکاذبین، پرویز رشید رشیدی نے فرمایا تھا ”دینی مدارس جہالت کی فیکٹریاں ہیں“ جو جو قول لینا چاہے لے لے۔۔۔ تاہم بات یہیں ختم کی جاتی ہے اگر مذکورہ بالا صفات دہشت گردی میں آتی ہیں تو بابا رحمان ملک سمیت سب کا ذب، سچے ہیں، دینی مدارس واقعی دہشت گرد ہیں۔ (اسامہ بن نسیم کیانی)

دینی مدارس واقعی دہشت گرد ہیں؟

آج تک کسی یونیورسٹی میں پاکستان کا جھنڈا لہراتے ہوئے نہیں دیکھا (سوائے تقریبات کے) مگر اپنی آنکھوں سے مدارس میں پاکستان، آزاد کشمیر کا پرچم اور پرچم نبوی ﷺ پوری آب و تاب سے لہراتے دیکھا ہے۔ آج تک کسی دنیوی تعلیمی ادارے میں استحکام مدارس کانفرنس (10 بندوں والی بھی) نہیں دیکھی تاہم دینی مدارس میں لاکھوں طلباء پاکستان کے استحکام اور سلامتی کے لیے بات کرتے اور روتے دیکھے۔ برقیات، تعلیمات، نشریات، شماریات، اخبارات، سیاسیات، ایجادات سمیت کسی شعبے کے لوگوں نے دہشت گردی کی ایسے مذمت نہیں کی لیکن جامعہ اشرفیہ (مدرسہ) میں پاکستان کے 250 بڑے علماء نے دہشت گردی اور پاکستان میں قتل و قتل کرنے کے عمل کو حرام اور قابلِ مذمت ہونے کا فتویٰ دیا،

بقیہ۔ عزم جہادی آپریشن کے آخری

100 دن کی رپورٹ

ضلع جلریز کے زیورات کے علاقے میں پولیس کمانڈر اصغر اور ضلع نرخ کے وہ حیات کے علاقے میں کمانڈر فیض اللہ ہلاک ہوا۔

ہرات میں 6 کمانڈر ہلاک

ضلع ادراک سکین کے مرکز کے قریب پولیس چیف کمانڈر رشک اور اسٹیٹ پولیس چیف سمیت ایک اور آفسر، ضلع دوآبی کے شبیرہ کے علاقے میں صوبائی ایٹلی جنس چیف کمانڈر نثار احمد، ہرات شہر کے قریب جنرال غوث اللہ کابلی اور ضلع زندہ جان کے گاؤ سیالہ کے علاقے میں کمانڈر رباب قدیر ہلاک ہوا۔

ہلمند، دس پولیس اور فوجی کمانڈر ہلاک

ضلع گرشک کے اوپاشک کے علاقے کے باریزو کے مقام پر کمانڈر نعمت اللہ، صوبائی دارالحکومت لشکرگاہ شہر کے پولیس ہیڈ کوارٹر کے داخل میں حکمت عملی کے تحت ہونے والے دھماکے سے آفسر، ضلع خانشین کے مکتب کے علاقے میں کمانڈر قدرت، ضلع نوزاد کے انگورک کاریز میں آپریشن کرنے والے فوجی قافلے کا کمانڈر عطا میر عرف آگاہ، ضلع ناوہ کے مؤمن خان کے علاقے میں کمانڈر ثواب، ضلع خانشین کے بازار میں واقع حمام کی چوکی کا کمانڈر بابا زوی نائب کمانڈر سمیت اور ضلع کچکے کے تنگے کے علاقے میں کمانڈر معصوم قتل ہوا۔

قاری محمد یوسف احمدی

ترجمان امارت اسلامیہ افغانستان

4 / رجب المرجب / 1437ھ بمطابق

11 / اپریل / 2016م

فلسفی، مناظر اسلام، مدرس، معلم، مصنف اور صوفی با صفا بنے۔ اور فارغ التحصیل ہونے والوں نے دارالعلوم سے جو کسب فیض فرمایا

تو فراغت کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں بلکہ پوری دنیا میں اس فیض کو عام کر دیا۔ اب دنیا میں کوئی ایسا خطہ نہ ہے جس میں دارالعلوم کا فیض نہ پہنچا ہو۔ خواہ بالواسطہ یا بلا واسطہ۔ دارالعلوم کے ایسے سینکڑوں سپوت بھی ہیں جنہوں نے عرب و عجم کو دارالعلوم کے فیوضات سے مالا مال کر دیا۔ بعض فضلاء دیوبند وہ ہیں جنہوں نے پوری زندگی کسی خاص شعبہ میں دین کی خدمت کی ہے۔ اور بعض وہ ہیں کہ جنہوں نے دین کے کئی شعبے سنبھال لیے ہیں۔ اور بعض ایسے مجاہد بھی ہیں جنہوں نے دین متین کے ہر شعبہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ انہوں نے تعلیم و تدریس کا کام بھی کیا، بحث اور مناظرہ کے میدان بھی فتح کیے، قرآن و حدیث کے درس بھی دیئے، باقاعدہ عملی جہاد میں بھی حصہ لیا، عوام الناس تک احکام شریعت بھی پہنچائے، دین کی خطر جیلیں بھی کاٹیں اور تختہ دار پر بھی لٹکے، خدا کی زمین پر خدا کا قانون نافذ کرنے کے لیے عملی جدوجہد بھی کی۔ الغرض دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی فضلاء دیوبند نے آبیاری نہ کی ہو۔ حقیقت یہ ہے دین اسلام کے سچے خادم عصر ہذا میں علماء دیوبند ہی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیوبند اور علماء دیوبند کو دین اسلام کی ہمہ خدمات کیلئے ان کو منتخب فرمایا ہے۔ ویسے تو فضلاء دیوبند کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہوگی جنہوں نے خادم دین کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔

عبداللطیف۔

طالبات کو بغیرت پروفیسرز نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا، سود جیسے حرام کام کا عدالتی تحفظ کیا گیا، اس ملک کے جاہل غلام حکمرانوں نے خود کو اغیار کا ایجنٹ ثابت کرتے ہوئے پرانی جنگ کو اپنی جنگ مان کر کھربوں ڈالر کا نقصان کروایا غلط پالیسیاں اپنا کر عوام کو دہشتگردوں کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا گیا، اس اسلام کے نام پہ بننے والے ملک میں سیکولر لبرل آوارہ بد قماش لوگوں کو اسلام پسندوں پہ زہرا لگنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی، دین کی تبلیغ کرنے والی تبلیغی جماعت پر پابندی لگائی گئی، علماء کو ہراساں کیا گیا، دارالحکومت کی سات مساجد کو شہید کیا گیا، اسلام پسندوں کو پکڑ کر ڈالروں کے عوض امریکہ دجال کو فرخت کیا گیا، جمہوریت ہو یا آمریت ہر ایک نے عوام کی بینڈ بجاتی، ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا، عوام کو چوروں ڈاکوؤں کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر بندر حکمران جنگ پی کر سو گئے، آئے روز قتل و غارت، حوا کی بیٹیوں سے زیادتی اور پھر مجرموں کی پشت پہ کینے وزرا کا ہاتھ،

کیا ان کاموں کے لیے ہی پاکستان بنا تھا؟

حافظ محسن شریف

دارالعلوم دیوبند کا فیض!

خالق عالم نے دارالعلوم دیوبند کو بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے من جملہ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ ﷻ نے اس ادارہ پر خصوصی برکات کا نزول فرمایا ہے۔ برکات کا یہ عالم ہے کہ جو طالب علم اس دارالعلوم میں داخل ہوا اور پڑھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے عقائد اور اعمال دونوں کی اصلاح ہو گئی اور جو طلباء دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے اپنے دور کے مفسر، محدث، فقیہ، متکلم اسلام

خلافت اور خوارج

حصہ سوم

خوارج ”کل اور آج“ ایک چشم کشا تحریر

میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ میں نے انہیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی حتیٰ کہ انہوں نے نصیحت، سچائی و رہنمائی کو ماننے سے انکار کر دیا۔ میرا یہ خطاب ان لوگوں کیساتھ ہے جو کہ اپنے آپ کو ان سے منسوب کرتے ہیں اور جنکے دلوں میں رتی بھر بھی سنت، دین یا اللہ کا خوف ہے، جو مسلمانوں کا خون بہانے سے ڈرتے ہیں کہ یہ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کے رسول کا فرمان ہے۔ رسول اللہ کی بیان کردہ تعریف کوئی گنجائش نہیں چھوڑتی کہ ہم ایسے لوگوں کے متعلق (خارجی کے علاوہ) کوئی اور نام تلاش کریں۔ اس سے آگے آپ فرماتے ہیں ”ایمان دار لوگوں کو انکے جرائم کے مقابلے پر صبر کرنا چاہیے، اہل علم اور اہل فراست کو اس حدیث پر غور کرنا چاہیے“ میں انہیں قوم عاد کی طرح قتل کرتا۔ یہ حدیث نہ خیبر کے یہود سے متعلق ہے اور نہ ہی یہ قریش پر منطبق کی جاسکتی ہے حالانکہ وہ رسول

نہیں ہو سکا۔ میں نے خاص حلقہ احباب میں اور عوامی سطح پر ہر ممکن کوشش کی ہے کہ اہل جہاد پر سے کسی بھی نقصان کو ہٹا دوں تاہم وہ لوگ جو کہ جھوٹ، شیطان اور گمراہی کا شکار ہو چکے۔ انکا عظیم مقصد صرف جہاد کو تباہ کرنا ہے اور اسکی بھلائی انہیں مقصود نہیں ہے۔ ان الفاظ کا مخاطب ”الدولۃ الاسلامیہ فی العراق کی قیادت اور شام میں انکی شاخ ہے۔“ مجھ اسپر مکمل شرح صدر حاصل ہو چکی جسمیں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ گروہ (الدولۃ الاسلامیہ) بمعہ اسکی عسکری و اسلامی قیادت کے ”جہنم کے کتے“ ہیں اور انکے اعمال اسپر گواہی دیتے ہیں، اور وہ رسول اللہ کی اس تعریف پر سب سے زیادہ پورا اترتے ہیں جو کہ احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ ”وہ مسلمانوں کو ماریں گئیں اور کافروں کو چھوڑ دیں گئیں۔ اللہ کی قسم اگر میں انہیں پاؤں تو قوم عاد کی طرح قتل کروں۔“ میں انکے بدترین اعمال کیوجہ سے اس فتویٰ کو دینے

جو اس طرح دیکھتے ہیں کہ سوائے ان کے کسی کے پاس بھی حق نہیں ہے، اور جو کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں ہے، وہ ان کا دشمن ہے۔ پس انہوں نے پہلے بھی استعمال کیا اور اب بھی استعمال کر رہے ہیں؛ مجھے نہیں علم کہ یہ دانستہ ہے یا مغالطہ کی وجہ سے ہے یا لغویات کی وجہ سے، جب کہ یہ ایک نفرت انگیز قسم کی سازش اس بابرکت جماعت کے خلاف کر رہے ہیں اور اسی طرح عمومی طور پر اہل اسلام کے خلاف ان کی یہ سازش جاری ہے۔۔۔ شیخ ابو محمد المقدسی حفظہ اللہ اس فتوے کے وقت بھی گرفتار تھے اور اس بعد بھی کئی دفعہ اردن کی مرتد حکومت نے آپ کو نظر بند کیا۔ ویسے تو تمام ہی علماء حق نے داعش کا مکمل رد کیا مگر چند ایک کے بیانات سے اقتباس پیش کر رہا ہوں اور کوشش ہوگی کہ حق کو حق کہوں اور باطل کو باطل ہی پیش کروں۔ شیخ ابو قتادہ فلسطینی اُن علماء حق کی فہرست میں شامل ہیں جنہوں نے داعش کی خلافت اور اُن کے عقائد کا رد کیا آپ نے ہمیشہ ہی مجاہدین اسلام کو نصیحت کرتے رہتے۔ آپ اسیری کے دوران ایک خط لکھا جس میں داعش کے حقیقت کو مجاہدین اسلام پر واضح کیا اسی خط سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ مجاہدین اور محبان جہاد کے نام ایک پیغام، شیخ ابو قتادہ فلسطینی فک اللہ اسرہ کی جانب سے یہ خط ”میں شدید دکھ کیساتھ لکھ رہا ہوں اور اگر یہ اللہ کیساتھ اس عہد کے مطابق نہ ہوتا جو کہ اس نے اپنی مخلوق سے لیا تھا تو میں یہ خط کبھی نہ لکھتا۔ اللہ گواہ ہیں کہ میں نے اس خط کو جاری نہ کرنے کے لیے اپنے آپ سے کتنی سخت جدوجہد کی ہے لیکن اس بات کے خوف نے کہ کہیں میں وہ سچ تو نہیں چھپا رہا جو کہ میں جانتا ہوں میں اس کوشش میں کامیاب

اللہ کے سب سے سخت دشمن تھے، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان خوارج کا کتوں کے پاگل پن کی طرح کوئی علاج نہیں کیا جاسکتا اور ان میں سے اگر کوئی ایک بھی زندہ بچ گیا تو وہ امت محمدیہ کے لیے بہت زیادہ نقصان دہ ہوگا۔ اس گروہ خوارج کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے۔ اگر ان میں سے ایک یا دو بھی زندہ بچ جائیں تو یہ اپنی گمراہی صحراؤں میں اور ان جگہوں پر تیزی سے پھیلا دیں گئیں جہاں علم کی کمی ہو جسکا نتیجہ انکے دوبارہ ابھرنے کی میں نکل سکتا ہے، الدولہ کا گروہ وہی خوارج کا گروہ ہے جو کے ماضی میں پایا جاتا تھا، ان دونوں میں رتی بھر بھی فرق نہیں ہے۔ اگر سوال کرنے والا انکے متعلق فتویٰ پوچھے یا اسکی دلیل طلب کرے تو اسے اہل جہاد کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہ بات درط حیرت میں ڈالنے والی ہے کہ یہ ذلت کی اس انتہا پر پہنچ گئے ہیں کہ انہوں نے اہل جہاد کو بھی اپنا دشمن بنالیا ہے! انہیں مرتدین کہتے ہیں انکے رہنماؤں کو قتل کرتے ہیں اور ان کے اموال کو حلال سمجھتے ہیں! ان امور کے بعد شک و شبہ کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ یہ میرا انکے متعلق فتویٰ ہے اور میں اسکے لیے اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں اور اگر یہ جہاد کے حق میں نہ ہوتا اور مجھے خاموش رہنے میں حکمت محسوس ہوتی تو میں ضرور ایسا ہی کرتا۔ اللہ گواہ ہے کہ میرا ان الفاظ کا مقصد صرف نصیحت کرنا ہے اور سنت پر عملدرآمد کرنا اور جہلاء کے شر کو رفع کرنا و جہاد کو ان سے پاک کرنا ہے۔ یہ الفاظ میں ایسی جگہ (جیل خانہ) سے کہہ رہا ہوں جہاں سے میں اس فتویٰ پر اٹھنے والے سوالات کا جواب یا ان اعتراضات کا جواب نہیں دے پاؤں گا جو کے اس فتویٰ سے متعلق اٹھائیں جائیں گئیں۔ زندگی کی

نعت تھوڑی ہے اور اسمیں اللہ ہی کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جتنی بھی کوئی کر سکے۔“ ان بیانات کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ داعش تو کفار سے بھی لڑ رہے ہی ہے۔ مگر یاد رکھیں آج کل کچھ بھائی سمجھتے ہیں کہ خوارج شائد کوئی امریکی اتحادی ہوں گے یا کوئی طاغوتی جماعت ہوگی یا کوئی انتہائی لبرل سیکولر قسم کے لوگ ہوں گے جن کو دیکھتے ہی ہم پہچان جائیں گے کہ یہ خوارج ہیں۔ حالانکہ بات اس سے بالکل الٹ ہے خوارج بظاہر انتہائی زیادہ ایمان دار مخلص عبادت کرنے والے قیام و سجود کرنے والے اور عام مسلمانوں سے زیادہ قرآن پڑھنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن احادیث کے مطابق ان کا قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ یعنی ان کا قرآن ان کی نمازیں ان کو کچھ فائدہ نہیں دیں گی۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ نشانیاں تو اک اچھے سچے مسلمان کو ظاہر کرتی ہیں تو کیوں پھر ان کو خوارج کہا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو ہی کافر مرتد کہنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر ان سے قتال کرتے ہیں کچھ نشانیوں کے مطابق خوارج وہ ہوتے ہیں جو کبیرہ گناہوں پر بھی تکفیر کرتے ہیں کثیر اہل علم نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ مذہبِ خوارج (کبیرہ گناہوں کے مرتکب کی تکفیر کرنا) کی یہ صفت تمام ’خوارج‘ کے لیے جامع صفت نہیں ہے، نہ ہی یہ خروج کرنے کی واحد شرط ہے، بلکہ خوارج کے اندر وہ تمام شامل ہیں جو مسلمانوں کی ناحق تکفیر کرتے ہیں اور انکے خون کو حلال کرتے ہیں اگرچہ وہ کبار کے مرتکب کے کفر کا عقیدہ نہ بھی رکھتے ہوں۔“ (اقتباس) اسی بارے میں امام ابن تیمیہ کا قول بھی نقل کر چکا ہوں کہ ”خوارج اپنے دین کو واجب

الاعتظیم اور بلندتر سمجھتے ہیں: جماعت المسلمین میں سے نکل جاتے ہیں، اور انکے خون اور اموال کا حلال کر لیتے ہیں۔“ کیا داعش خود اعلیٰ توحید پرست خلافت کے دعوے دار نہیں سمجھتے؟ کیا دنیا میں وہ اپنے سوا کسی کے جہاد کو جہاد سمجھتے ہیں؟ اگر اسکی واضح دلیل چاہیے تو عدنانی (داعش کا ترجمان) کا یہ بیان پڑھیں جس میں وہ کہتا ہے کہ ”اے گروہوں اور تنظیموں کے سپاہیو، جہاں تک تمہارا تعلق ہے، یہ جان لو کہ زمین پر غلبہ اور قیامِ خلافت کے بعد، تمہارے گروہوں اور تنظیموں کی شرعی حیثیت کا لعدم ہو چکی ہے، اور تم میں سے کسی بھی فرد کے لیے یہ جائز نہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ خلیفہ کو بیعت دیے بغیر سو جائے، یہ تو ایک بیان کا کچھ حصہ ہے ایسے کئی دھمکی آمیز بیانات عدنانی اور بغدادی ٹولہ دے چکا جس میں اُمت کے اُن بیٹوں کو مرتد کہا گیا جن کی لازوال قربانیوں سے دنیا کفر حیران و پریشان ہے۔ داعش اپنے خلافت کے لئے جو دلیل پیش کرتی ہے اُس کا بھی ذکر کرنا لازم سمجھتا ہوں۔ آج کل داعش کے حامی اس بات کا دعوہ کرتے ہیں کہ خلافت قائم ہو چکی ہے اس لئے جو بیعت نہیں کرتا وہ خلافت کا باغی ہے اور اس کا باغی کا قتل کرنا حلال ہے۔ لیکن ہمارا موقف واضح ہے کہ یہ خلافت شرعی اصولوں پہ قائم نہیں اور خلافت کے اس دعوے میں اسلام کے بنیادی شرعی شرائط ہی پوری نہیں ہیں۔ ان شرائط میں سب سے بنیادی شرط بغدادی کی اس باطل خلافت کے تمکین حاصل نہیں اور یہ باطل خلیفہ خود روپوش ہے۔ اس حوالے سے پہلے خلافت کی تعریف بیان کر رہا ہوں پھر ایک ایسی کتاب سے جس کے حوالے سب سے زیادہ داعش

کا میڈیا پیش کرتا ہے لیکن توڑ مروڑ کر، اس کتاب میں بتائے گئے اسلامی اصولوں ہی کی رو سے یہ خلافت باطل قرار پاتی ہے۔

ملاحظہ ہو۔ ”خلافت وہ ریاست عامہ ہے (جو بزرعہ علوم دینیہ کے زندہ رکھنے اور بزرعہ ارکان اسلام کے قائم کرنے اور جہاد اور متعلقات جہاد کے قائم رکھنے جیسے لشکروں کا مرتب کرنا مجاہدین کو وظائف دینا، مال غنیمت کو ان میں تقسیم کرنا اور عہدہ قضاء کے فرائض انجام دینے اور حدود کے قائم کرنے اور مظالم کو دور کرنے کے، اور بری باتوں سے روکنے اور اچھے باتوں کا حکم دینے کے) بحیثیت نائب نبی ہونے کے بالفعل حاصل ہوئی ہو“ (ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ 13 مصنف شاہ ولی اللہ) یہ ہے خلافت کی تعریف۔ اب آتے ہیں آگے کہ بالفعل کے لفظ سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ اس کی تفصیل سے پتا چلے گا کہ یہ خلافت کی بنیادی ترین شرائط میں سے ایک ہے۔ ”بالفعل کے لفظ سے وہ خارج ہو گیا جو (اگرچہ) کامل طور پر دین قائم کرنے کی قابلیت رکھتا ہو اور اپنے ہم عصر لوگوں سے افضل بھی ہو لیکن بالفعل اس کے ہاتھ سے امور مذکورہ میں سے کوئی کام انجام نہ پائے۔ پس ایسا شخص خلیفہ نہیں ہو سکتا جو پوشیدہ ہو اور فتح و غلبہ حاصل نہ ہو اور بحیثیت نائب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انبیاء علیہ سلام کو خارج کر دیتی ہے (کیونکہ وہ نبی تھے نہ کہ نائب نبی) گو حضرت داؤد خلیفۃ اللہ تھے (نہ کہ خلیفۃ الرسول) یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (اپنے لئے) خلیفۃ اللہ کا لقب پسند نہ کیا اور فرمایا کہ ”مجھے خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

کہا جائے“ (ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ 16)۔ آپ صاف الفاظ پڑھ سکتے ہیں کہ خلیفہ کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ ایک روپوش شخص پوری نہیں کر سکتا اس لئے ایسا شخص خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

یہاں کچھ لوگ اعتراض کریں گے کہ ملا عمر بھی تو پوشیدہ ہیں پھر وہ خلیفہ کیسے ہو گئے؟ ان کے لئے عرض ہے کہ ملا محمد عمر امارت اسلامی کے امیر ہیں لیکن انہوں نے نہ ہی خلافت کا دعوہ کیا ہے نہ ہی وہ خلیفہ ہیں۔

خلافت کے قیام کے لئے کم از کم ایک چھوٹا سا ہی قطعہ زمین ہونا لازمی ہے جو آپ کے مکمل کنٹرول میں ہو اور جہاں آپ آزادی سے منظر عام پر رہ سکیں تاکہ امور مذکورہ کو انجام دے سکیں۔ آج اس دور میں جہاد جاری ہے اور آگے بڑھ رہا ہے اور واضح ہے جلد ہی اس کے ثمرات سے ایسا علاقہ قائم ہو جائے گا جہاں مکمل غلبہ ہو۔ اس وقت مسلمانوں کے پاس مختلف علاقے ہیں جہاں شریعت قائم ہے اور شرعی احکامات سے ہی فیصلے اور انتظامات ہوتے ہیں لیکن شریعت کا قیام خلافت کا جزو ہے خلافت نہیں (یہ الگ بحث ہے فی الحال) اوپر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ علیہ کا بیان کردہ اسلامی اصول بغدادی کی خلافت کو واضح طور پر باطل ثابت کرتا ہے۔ بغدادی کی باطل خلافت پہ اور بھی بہت سے شرعی اعتراضات ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ بیان کئے جائیں گے لیکن یہ پہلا اور بنیادی ترین اصول ہے۔ انعقادِ خلافت کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ جب خلیفہ کی وفات ہو جائے اور کوئی شخص بغیر (اہل حل و عقد کی) بیعت کئے ہوئے اور بغیر (خلیفہ سابق کے) استخلاف کے خلافت کو لے اور سب نامور

لوگوں کو تالیفِ قلب یا جنگ و جبر سے اپنے ساتھ کر لے تو ایسا شخص خلیفہ ہو جائے گا۔ اس چوتھے طریقے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ خلافت کا دعوہ کرنے والا خلافت کو شرائط کو جامع ہو اور بغیر ارتکاب کسی ناجائز امر کے صرف صلح و تدبیر سے مخالفوں کو مخالفت سے باز رکھے یا نامور لوگوں کو ساتھ ملا لے۔ یہ قسم عند الضرورت جائز ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتقال اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کر لینے کے بعد اسی طرح سے ہوا تھا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ خلافت کا دعوے دار خلافت کی شرطوں کو جامع نہ ہو اور خلافت میں مخالفت کرنے والوں کو بزرعہ قتال اور ارتکابِ فعل حرام کے مزاحمت سے باز رکھے۔ یہ قسم جائز نہیں اور اس کا کرنے والا عاصی ہے۔ لیکن اس خلیفہ کے بھی شرعی احکامات کو قبول کرنا واجب ہے۔ اگر اس خلیفہ کو معزول کرنے سے مسلمانوں کی جانیں جاتی ہوں اور فساد ہوتا ہو اور احتمال ہو کہ اس کو معزول کرنے سے کوئی اس سے بھی بدتر شخص غالب ہو گا تو اس کو معزول نہ کریں۔ عبدالمالک بن مروان اور خلفائے بنی عباس کے پہلے خلیفہ کہ خلافت کا انعقاد اسی طرح ہوا تھا (شاہ ولی اللہ کی کتاب: ازالۃ الخفاء صفحہ 25، جلد اول) یہاں بہت سی باتیں قابلِ غور ہیں۔ اول یہ کہ خلیفہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ کسی بھی جائز و ناجائز طریقے سے نامور اور اہم لوگوں کو مغلوب کر کے ساتھ ملا لیا جائے اور قابلِ ذکر مخالفت باقی نہ رہے کیونکہ اگر مخالفت موجود رہی تو لڑائی اور فتنہ ہو گا اس لئے مخالفت ختم کرنا سب سے بنیادی اور اہم شرط

کے لئے متعین ہوئے۔ علی رض کی خلافت پہ تو علماء نے واضح کہہ دیا لیکن بغدادی کی خلافت چاروں طریقوں سے باطل ثابت ہوتی ہے۔ داعشی حضرات بار بار تمام مجاہدین کو باغی باغی کی گردان کر رہے ہیں تو یہ بھی پڑھو "کسی سلطان کی حکومت پہ مسلمانوں کے متفق ہونے کے بعد اس سے بغاوت حرام ہے"

(ازالۃ الخفاء صفحہ نمبر 31) تو بغدادی کی خلافت پہ مسلمان متفق کب ہوئے تھے؟ اس کی خلافت سے اتحاد سے زیادہ فتنہ پھیلا ہے اور واضح احکام ہیں کہ جس کے حکم سے فتنہ پھیلے وہ امیر نہیں ہو سکتا۔

بہت سی باتیں جھوٹ اور من گھڑت خود داعش پھیلاتی ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ علماء حق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اہل حل و عقد سے قائم نہیں۔ افسوس کہ تم لوگوں نے اپنے گند کو ٹھیک کرنے کے لئے صحابہؓ پہ الزام لگا دئے۔ دوسرا کہتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے بنا مشورے کی خلافت قائم کرنے والے اور اس کی بیعت کو قتل کرنے والی بات از رہ نصیحت کہی... کیا تم نے یہ مکمل بیان نہیں پڑھا جو عمر رضی اللہ عنہ جھوٹ بولتے ہیں؟، شاہ ولی اللہ اہل حل و عقد کی جو سب سے اہم خصوصیت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ نامور ہونگے، امت ان کو جانتی ہوگی ان پہ اعتبار کرتی ہوگی۔ لیکن داعش کا دعوہ اگرچہ یہ تو ہے کہ بغدادی کو خلیفہ اہل حل و عقد نے چنا ہے لیکن آج تک ان کے حامی خود ان لوگوں کا نام نہیں جانتے جنہوں نے یہ انتخاب کیا؟؟ تو گزارش ہے زرا ہمیں ان نامور لوگوں کے نام بتادیں؟ جنہوں نے بغدادی کو منتخب کیا۔ نہیں ہرگز نہیں بتا سکتے کیونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں

اعتبار نہ سمجھیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے اپنے آخری خطبے میں فرمایا تھا کہ جو بنا مسلمانوں کے مشورے کے خلافت منعقد کرے اس کی بیعت نہ کی جائے اور خلافت کا دعوہ کرنے والے کو اور بیعت کرنے والے دونوں قتل کر دئے جائیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت کی بیعت وہاں موجود سبھی لوگوں نے کی جو کہ اس وقت امت کو اہل حل و عقد کے بیشتر لوگ تھے۔ بعد میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بیعت کا انکار کیا تو دو لوگوں کی بیعت کرنے سے نہ خلافت منعقد ہوتے ہے نہ منسوخ ہوتی ہے، کیونکہ یہ اجماع سے ہوتی ہے۔ امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھ سب ہی صحابہ کا حضرت علیؓ سے اختلاف خلافت کا نہیں قاتلین عثمان کے مسئلے پہ تھا، امیر معاویہؓ نے کبھی حضرت علیؓ کی زندگی میں خلافت کا دعوہ کیا ہی نہ تھا، حضرت علیؓ کی خلافت پہ تقریباً تمام اہل حل و عقد کا اجماع تھا۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مشکوک ثابت کرنے تم لوگوں کو کچھ حاصل نہیں ہونے والا۔ (صفحہ 26 ازالۃ الخفاء) اہل علم نے اس بات میں کلام کیا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت مذکورہ طریقوں میں کس طریقے پہ ہوئی۔ علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ ان مجاہدین و انصار کے بیعت کر لینے سے خلیفہ ہوئے جو مدینہ میں موجود تھے اور حضرت علیؓ کے اکثر خطوط جو آپؓ نے اہل شام کو لکھے اس بات پہ شاہد ہیں۔ علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان بذریعہ شوری ہوا کیونکہ (حضرت عمرؓ کے بعد) مشورہ اس پر قرار پایا تھا کہ خلیفہ یا عثمانؓ ہو گئے یا علی رضی اللہ عنہ۔ پس پہلے عثمانؓ خلیفہ بنے پھر جب عثمانؓ نہ رہے تو علیؓ خلافت

ٹھہری۔ کیا بغدادی صاحب نے امت کو قابل ذکر اور قابل اعتبار لوگوں کو مغلوب کر کے اپنی مخالفت ختم کر دی؟ جواب آپ سب کو معلوم ہے۔ بغدادی صاحب نے اپنی خلافت کو انعقاد کے لئے دوسرا طریقہ اپنایا تھا، یعنی بذریعہ قتل لوگوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کی لیکن اس کام میں ان کو سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، یہ خود جو بھی دعوہ کرتے رہیں کہ اتنے گروہوں نے بیعت کر لی ہے وغیرہ لیکن جہاد کے قائدین اور قابل اعتبار علماء اور باقی نامور لوگوں کی اکثریت کو نہ تو یہ مغلوب کر سکے نہ ان کو ساتھ ملا سکے اس لئے اب ان لوگوں کی کردار کشی کر کے ان کا رتبہ کم کرنے کی گھٹیا کوشش کر رہے ہیں۔ یہاں پہ اصل مقصد سب کو ساتھ ملا کر مخالفت ختم کرنا ہے تاکہ فساد نہ ہو لیکن بغدادی کی نام نہاد خلافت کی وجہ سے اتنا فساد پھیلا ہے اور اتنا نقصان ہوا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی، تو پھر ان کی خلافت کیسے منعقد ہوگئی اگر یہ مخالفین کو مغلوب نہ کر سکے اور اس سے شدید فساد پھیلا ہے؟ اگر یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو بھی ان کا یہ فعل حرام ہی رہتا اور ان کو طواغوت و کراہۃ ہی خلیفہ مانا جاتا تاکہ آپس میں لڑائی نہ ہو لیکن ایسا بھی نہ ہو سکا اور بغدادی کے اعلان کے بعد اسی ہی وجہ سے فساد میں شدت آئی۔ صاف صاف لکھا ہے کہ ایسی خلافت باطل ہے جس پہ اجماع و اتفاق نہ ہو کیونکہ ایسا کرنے سے خلافت قائم نہ ہوگی، فساد ہوگا اور یہی کچھ ہو رہا ہے۔ (شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء کے صفحہ 23) پہ لکھتے ہیں کہ خلافت کے انعقاد کے لئے بلاد اسلامیہ کے تمام اہل حل و عقد کا آنا ضروری نہیں لیکن اتنے کم لوگ بھی نہ ہوں کہ باقی اہل حل و عقد اسے قابل

ہوتے۔۔۔ داعش تو آج تک اُس شوریٰ کا نام نہیں بتا سکی جس نے خلیفہ کا انتخاب کیا مگر ہم اس کا رد کرنے والے عالم اسلام کے نامور علماء حق کے نام بتاتے ہیں۔

سرزمین شام میں موجود علماء میں اس وقت میدان جنگ میں موجود شیخ ابو عبد اللہ الحسینی حفظہ اللہ، شیخ ابو معاذ نور الدین نفیہ فک اللہ اسرہ، شیخ ابو محمد المقدسی حفظہ اللہ، شیخ ابو قتادہ الفلستانی حفظہ اللہ، شیخ ہانی السباعی حفظہ اللہ، شیخ عبد العزیز الطریفی حفظہ اللہ، شیخ ابوبصیر الطرطوسی حفظہ اللہ، شیخ ابوماریہ القحطانی حفظہ اللہ، شیخ ابراہیم الریش شہید (یمن)، مولانا عاصم عمر (برصغیر)، شیخ ابو عبد اللہ الشامی حفظہ اللہ، شیخ ابو سلمان المہاجر حفظہ اللہ، شیخ ابو فراس السوری حفظہ اللہ، شیخ ابو حفص بنشی حفظہ اللہ، شیخ ابوصہام السوری حفظہ اللہ، مغرب اسلامی سے شیخ معص عبد الوہود، الجزائر کے مجاہدین نے بھی ان کا رد کر دیا، اس کے علاوہ داعش کو بے جا تکفیر کرنے سے روکنے پر شیخ ابو عبد اللہ عزام شہید اور شیخ ابو معص الزرقاوی، شیخ اسامیہ بن لادن کے بہترین ساتھی اور مظلوم شہید شیخ خالد السوری داعش نے خود کش حملہ کر کے شہید کیا، اُن کی گواہی بھی داعش کے خلاف موجود ہے۔ داعش کا دعوہ ہے کہ اُن کی بہت سی ولایتیں ہیں اور جماعت داعش کی خلافت ہر جگہ پھیل گئی ہے تو اس کی حقیقت کا اندازہ آپ یہاں سے لگالیں کہ یمن میں داعش کے چند ہی لوگ موجود ہیں۔ جبکہ مالی میں ایک بھی داعشی موجود نہیں، صومالیہ میں بھی شاید ہی کوئی موجود ہو، شیشان میں آفشل ویب سائٹ پر مجاہدین نے داعش کا رد کیا اور (قفقاز ڈاٹ کام) لکھا داعش کی بیعت حرام ہے۔ داعش خراسان

کا اعلان ہونے سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں داعش کی ولایتیں کیسے قائم ہوئیں؟ اور ان کی تعداد کیا ہے۔۔۔ خراسان کے محاذ سے واقفیت رکھنے والے بھائی جانتے ہیں کہ سعید حافظ تحریک طالبان پاکستان کی طرف سے ایک چھوٹی سی قبائلی ایجنسی اوکزی کا امیر تھا۔ جب داعش کا اعلان ہوا تو ان کو اپنے ساتھ کے نظریات والے لوگ مل گئے (جن کا کام ہی قتل گری ہے)۔ سعید حافظ نے بہت سے اپنے ساتھیوں کو خود شہید کروایا پھر جس نے اس کے لئے ان لوگوں کو شہید کیا بعد موقع دیکھ کر سعید حافظ نے ان کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اب سعید حافظ نے شاہد اللہ شاہد جو کہ سابق ترجمان تھا تحریک طالبان پاکستان کا اس ذریعے سے بیعت بھیجی عدنانی اور بغدادی تو لے کو، تو داعش کے امراء نے شاہد اللہ شاہد کو عراق کی طرف آنے کا حکم دیا۔ شاہد اللہ شاہد افغانی تذکرہ (افغانی شناختی کارڈ) کے ساتھ ایران کے راستے عراق و شام میں داخل ہونے کی کوشش میں تھا کہ ایران میں پکڑا گیا مگر کو افغانی مزدور ثابت کر کے واپس بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، پھر داعش نے کہا مشورہ کرو اور امیر کا انتخاب کرو، اور اپنے تمام کارندوں سمیت ایک ویڈیو بنا کر بھیجو۔ ایک سادہ سی بات جس علاقے کا کوئی امیر ہو وہ اپنے ماموروں سے مشورہ لے کہ امیر کس کو بنایا جائے تو سوال ہی پیدا ہوتا کہ وہ اسی امیر کے علاوہ کسی اور کا نام لیں۔ تو سعید حافظ جسے اس وقت کے ہمدرد، اُس وقت چور کہا کرتے تھے وہ امیر ولایت خراسان بن گیا۔ اور کوکی خیل اور نازیان کے علاقے میں جھنڈے لگا کر داعش کی ولایت قائم ہونے کا اعلان کیا۔ جسے عدنانی نے اپنے آڈیو بیان میں تسلیم کر لیا۔ اور بعد میں

داعش نے افغانستان میں امارت اسلامیہ کے فتح شدہ علاقوں پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا، آپ سمجھ سکتے ہیں ابوبکر بغدادی کی شوریٰ کونسی تھی اور کیسے وہ خلیفہ منتخب ہوا۔ اللہ ہمیں دور حاضر کے اس عظیم فتنے سے بچائے، یاد رکھیں کہ ایسی احادیث موجود ہیں جن میں عراق کو فتنوں کی سرزمین کہا گیا ہے۔ داعش کا فتنہ بھی عراق سے ہی پیدا ہوا ہے۔ آخر میں ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ داعش کو ابامہ اور مغربی میڈیا اب دولہ اسلامیہ کہتا ہے کیا آپ نے کبھی سوچا کہ ابامہ جیسا اسلام اور مسلمانوں کا بد بخت ترین دشمن اسے اسلامی خلافت کیوں کہتا ہے تو یاد رکھیں! ابامہ اور مغربی میڈیا مسلمانوں کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ جس خلافت کی تم بات کرتے ہو وہ ایسی خونخوار اور ظالم ہوتی ہے اس لئے اس نعرے کے تو بہ تائب ہو کر دین جمہوریت پر ایمان لے آؤ۔۔۔ چھوڑ دو اسلام کے نظام کو، حالانکہ ہر ایمان اور دیندار جانتا ہے کہ یہ جمہوری نظام سب کفری ہیں چاہے ملا اپنائے یا مسٹر جی۔ اس دنیا کو امن صرف اسلام اور مجاہدین ہی دے سکتے ہیں ورنہ امن ایک خواب تھا اور رہے گا۔۔۔۔۔ شراب پر زم زم کا لیبل لگانے سے وہ اگر پاک نہیں ہو سکتی اور گدھے پر کلمہ پڑھ کر چھری چلانے سے وہ حلال نہیں ہو سکتا تو بالکل اسی طرح جمہوریت بھی اسلامی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔۔ اللہ پاک مجاہدین اسلام کو فتح نصیب فرمائیں وہ شام میں و خراسان تک ہر فتنے کو مٹا دیں (آمین یا رب العالمین)۔۔۔

جیت گئے وہ عشق کی بازی، جانیں گر چہ وار گئے

احسن عزیز شہیدؒ

جیت گئے وہ عشق کی بازی، جانیں گر چہ وار گئے
ہم ایسے تو پیچھے رہ کر جیتے جی بھی ہار گئے

بات بنے جب حق کی خاطر سرکٹ جائیں ورنہ تو
دل میں ہم فاتح بن کر میداں کتنی بار گئے

پوچھتے ہیں، تم کیوں مقتل کی رہ کو خوش خوش جاتے ہو؟
اعداء سے بھی پوچھیں نا، کیوں چار و ناچار گئے

گھاٹے کے سوداگر، نہ جان کی قیمت جان سکے
مفت کے اس بازار میں ضائع جن کے کاروبار گئے

قحطِ دین و دانش کا یہ دور بھی دیکھا آنکھوں نے
لشکر نے جس رخ کی ٹھانی، اُس جانب سالار گئے

راہ و رسم تو رکھتے ہیں جی، کون کسی کا ناصح ہے؟
رشتے ناٹے تو موجود ہیں اُلفت، چاہت، پیار گئے

وہ بھی دن تھے روضہ جنت سے آتی تھی تجھ کو دعا
بھول نہ جان کون تیری خاطر، جگ سے خوں بار گئے

قانون و انصاف

(مولانا ابوالکلام آزادؒ)

لیکن دوسری طرف نیکی رخصت ہو جاتی ہے۔ محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا اور امن و راحت کی جگہ انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لا زوال دور شروع ہو جاتا ہے۔ وہی انسان کی بستی جو پہلے نیک اور محبت کی دنیا اور راحت کی برکت کی بہشت تھی۔ اب افلاس و مصیبت کا مقتل اور جرموں اور بدیوں کی دوزخ بن جاتی ہے۔ وہی انسان جو چھوٹی چیزوں کے اندر محبت و فیاضی کی گرم جوشی تھا۔ اب شہر کے سربلک محلوں کے اندر بے مہری و خود غرضی کا پتھر ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے عالی شان مکانوں میں عیش و نعمت کے دسترخوانوں پر بیٹھتا ہے تو اس کے کتنے ہی ہم جنس سرگ پر بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہیں۔ جب وہ عیش و راحت کے ایوانوں میں حسن و جمال کی محفلیں آراستہ کرتا ہے تو اس کے ہمسایہ میں یتیموں کے آنسو نہیں تھمتے اور کتنی ہی بیوائیں ہوتی ہیں۔ جن کے بد نصیب سروں پر چادر کا ایک تار بھی نہیں ہوتا۔

زندگی کی قدرتی یکسانی کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی مگر بے رحم تفاوتیں ہر گوشے میں نمایاں ہو جاتی ہیں۔

پھر جب انسانی بے مہری اور خود غرضی کے لازمی نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں کمزوری افلاس اور بے نوائی سے مجبور ہو کر بد بخت انسان جرم کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو اچانک دنیا کی زبانوں کا سب سے زیادہ بے معنی لفظ وجود میں آ جاتا ہے۔ یہ قانون اور انصاف ہے۔ اب بڑی بڑی شائد اعمار میں تعمیر کی جاتی ہیں اور ان کے دروازے پر لکھا جاتا ہے۔

انصاف کے اس مقدس گھر میں کیا ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے کہ وہی انسان جس نے اپنی بے رحمی اور تغافل سے مفلس کو چوری پر اور نیک انسانوں کو بد اطوار بن جانے پر مجبور کر دیا تھا، قانون کا پڑ بیٹ جب پہن کر آتا ہے اور فرشتوں کا سامعصوم اور راہبوں کا سانچیدہ چہرہ بنا کر حکم دیتا ہے کہ مجرم کو سزا دی جائے۔ کیوں! اس لیے کہ اس نے چوری کی ہے اس بد بخت نے چوری کیوں کی؟ اس لیے کہ وہ انسان ہے اور انسان بھوک کا عذاب برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ وہ شوہر ہے اور شوہر اپنی بیوی کو بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہوئے دیکھ نہیں سکتا۔ اس لیے کہ وہ ایک باپ ہے اور باپ کی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے بچوں کے ان آنسوؤں کا نظارہ کر سکے

، جو بھوک کی اذیت سے ان کے معصوم چہروں پر بہہ رہے ہوں۔

پھر اگر بد قسمت انسان قید خانہ اور تازیانہ کی سزائیں جھیل کر بھی اس قابل نہیں ہو جاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے، تو مقدس انصاف اصلاح اور انسانیت کا آخری قدم اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اسے سولی کے تختے پر لٹکا دو یہ

گویا انسان کے پاس اس کے ابناء جنس کی مصیبتوں اور شقاوتوں کا آخری علاج ہے۔

یہ ہے انسان کی شہری اور متمدن زندگی کا اخلاق وہ خود ہی انسان کو برائی پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی سزا بھی دیتا ہے، پھر ظلم اور بے رحمی کے اس تسلسل کو انصاف کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ اس انصاف کے نام سے جو دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مگر سب سے زیادہ غیر موجود حقیقت ہے۔